ہمایون نگر، حیدرآباد دکن،

ذکرِ مبارک، ہرہائنس میمونہ سلطان شاہ بانو بیگم صاحبہ بھوپال نے سیرۃ نبوی میں یہ مختصر مگر مفید رسالہ اب سے چند سال پہلے لکھا تھا، اور نہایت مقبول ہوا تھا، تین اڈیشن اس کے پہلے چھپ چکے ہیں، اب یہ اس کا چوتھا اڈیشن نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمان خان شروانی نے اپنی طرف سے چھپوا کر مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڈھ کو دیے ہیں، قیمت ۵ر دفتر مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڈھ،

ذکرِ جمیل، نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمان خان شروانی نے یہ رسالہ آنحضرت صلعم کے حالات میں غالباً اس غرض سے لکھا ہے کہ میلاد کی مجالس میں وہ پڑھا جائے اور عام مسلمانوں میں وہ تقسیم کیا جائے، چنانچہ نہایت اختصار کے ساتھ لیکن ذوق اور محبت کی زبان میں سرور کائنات علیہ السلام کے تمام سوانح مبارکہ لکھے ہیں، قیمت ۵ر پتہ:۔ دفتر ایجوکیشنل کانفرنس علی گڈھ،

ذکر الحبیب، مولانا ممدوح نے یہ رسالہ سرور کائنات کے اخلاق مبارکہ اور حلیۂ اقدس کے بیان میں مختصراً لکھا ہے، ضرورت ہے کہ یہ دونوں رسالے عام مسلمانوں میں تقسیم کیے جائیں، مستطیع اصحاب کو چاہیے کہ ان کے کئی کئی نسخے خرید کر غریب بھائیوں میں اور غیر مسلمانوں میں تقسیم کریں، قیمت ار پتہ:۔ دفتر کانفرنس علی گڈھ،

جامع الآداب، مصر میں طلبہ اور بچوں کو نیک اخلاق و عادات کی تعلیم کے لئے آج کل عربی میں ایک کتاب لکھی گئی ہے، مولوی عبد الرحیم صاحب ناظم مکتبۂ علوم مشرقیہ، اسلامیہ کالج پشاور نے اس کا اردو ترجمہ کیا ہے، اس میں ہر چیز کے متعلق لڑکوں کو نہایت عمدہ تعلیم دی گئی ہے، بچوں کی خاطر اس کا خط بھی صاف اور پاشان رکھا گیا ہے، تاکہ ان کو پڑھنے میں آسانی ہو، ضرورت ہے کہ والدین انکو اپنے بچوں کے مطالعہ میں دیں ضخامت چھوٹی تقطیع پر ۵۵ صفحے، قیمت نہیں لکھی، غالباً ۶ر یا ۸ر ہو گی، پتہ:۔ مصنف سے اسلامیہ کالج پشاور سے طلب کیجئے،

مجلد بیستم	ماہ جمادی الاول ۱۳۴۶ھ مطابق ماہ نومبر ۱۹۲۷ء	عدد پنجم

مضامین

شذرات

مدراس مین چند سال سے مجلس العلما نام ایک مجلس ہو جسکا صدر مقام ترچناپلی ہے، اس کے ماتحت ایک مدرسہ ہے جسمین غریب مسلمان بچے، اور یتیم اور نومسلم تعلیم پاتے ہین، نصاب تعلیم مین قرآن پاک اور دینیات کے علاوہ اردو، ٹامل (ملکی زبان) اور انگریزی داخل ہے، ساٹھ ستر ہزار کی اسکی ایک خوبصورت عمارت ہے، ہزار بارہ سو ماہوار اس کا خرچ ہو، تبلیغ اور اشاعت تعلیم بھی اس کے فرائض مین ہین، امسال اسکی صدارت کا شرف اڈیٹر معارف کو عطا کیا گیا تھا، اسی بنا پر مجھے ستمبر کے وسط مین مدراس جانا پڑا،

اس سفر پر آمادگی کی دوسری وجہ یہ تھی کہ کئی سال سے مدراس کے احباب سے دارالعلوم ندوۃ العلما کے دارالاقامہ کی تعمیر کے لیے مالی اعانت کا وعدہ چلا آتا تھا، امید تھی کہ شاید یہ موقع اس عہد کے ایفا کے لئے مناسب ہو، چنانچہ مین ۱۶ ستمبر کی صبح کو ترچناپلی پہنچا، اسی دن جلسہ کا آغاز تھا، مدراس کے ان علاقون کی مادری زبان ٹامل ہے، اردو یہان کے مسلمان تک بھی برائے نام سمجھتے ہین، جلسہ مین تمام تقریرین ٹامل مین ہوئین، میرا خطبۂ صدارت بھی جو گو اردو مین چھپا ہوا تھا، وہان ٹامل مین ترجمہ ہو کر اور چھپکر حاضرین مین تقسیم ہوا،

جلسہ مین علما، کی تعداد بھی ساٹھ ستر کے قریب موجود تھی، مختلف تجویزین منظور ہوئین، خیر یہ سب کاروائیان تو ہوتی ہی رہین، میرے نزدیک اصل چیز جو ہوئی وہ یہ ہے کہ رات کے وقت میری درخواست پر تمام علما ایک

ہال مین جمع ہوئے، اور عربی مدارس کی اصلاح و ترقی اور اسلام کی موجودہ ضروریات اور علما کے موجودہ فرائض پر ایک وسیع و مبسوط تقریر ان کے سامنے کیگئی جس سے وہ بیحد متاثر ہوئے، اور مقرر کے خیالات سے انھون نے اتفاق کیا، اور ان ضروریات کے پورا کرنے اور ان اصلاحات کے جاری کرنے پر پوری آمادگی ظاہر فرمائی،

ترچناپلی ان علاقون کے ہندؤن کا ایک نہایت مقدس مقام ہے، اَرکاٹ کی اسلامی حکومت کا دوسرا پایہ تخت یہ شہر بھی تھا، سامنے پہاڑی پر قدیم مندر ہے، مگر اس سے بھی زیادہ مہتم بالشان اور پرانا، اور یادگار مندر کاویری ندی کے پار ہے، شہر کے پاس ہی دو ندیان آڑی ترچھی بہتی ہین، اور ان دونون کے تقاطع سے بیچ مین ایک چھوٹے سے جزیرہ کی صورت بن گئی ہے، اس جزیرہ پر ایک نہایت ہی قدیم، نہایت ہی عجیب اور نہایت ہی یادگار مندر بنا ہوا ہے، اول چارون طرف قلعہ کی جیسی سنگی بلند اور مضبوط دیوارین ہین، جنمین چارون رخ پر چار دروازے ہین، پھر اسی طرح ان دیوارون کے بعد پے درپے ایسی ہی قلعہ نما اور مضبوط سات دیوارین ہین، اور ہر دیوار مین پہلے ہی دروازون کے بالمقابل ساتون دیوارون مین دروازے ہین، ہر دروازے کے سامنے ایک سڑک نکلتی ہے، اس طرح مندر کے گرد چار سڑکین ہین، اور ہر سڑک کے دو رویہ بازار ہین، یہ تمام دروازے اور عمارتین سنگ تراشی اور بت تراشی کے اعلیٰ نمونے ہین، پتھرون کو کاٹ کاٹ کر اس کے بت اور ہندو اصنام کے مختلف مناظر بنائے ہین، بیچ مین اصل مندر ہے جسمین کرشنا دیوتا کا بت ہے، اور اس کے اوپر سونے کی چھتری اور کلس ہے، اسکی ایک طرف جاتریون اور میلون کے لیے ایک وسیع سائبان ہے، جو کئی سو ستونون پر قائم ہے، سورج دیوتا کی ایک پہاڑ کی طرح کی گاڑی ہے جو میلہ کے موقع پر نکالی جاتی ہے، اور ہزارون آدمی مل کر اس کو گھسیٹتے ہین،

لیکن ان تمام عجائبات سے زیادہ عجیب تر یہ ہو کہ اسکی سب سے پہلی دیوار کی پشت پر ایک گوشہ مین جٹے ایک گز

او نچائی پر اسی دیوار کے پتھر مین، نہایت جلی قلم مین بخط نسخ عربی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کندہ ہوئے
پجاریون نے اُس کو بھی ایک بت بنا لیا ہے، اُس پر ایک چھوٹی سی کھڑکی لگالی ہے، اور اس کتبہ پر شاید مدتون
سے تیل پانگھی اور سیندور لگا رہے ہین، جس سے لا الہ الا اللہ کے حرف مٹنے کے قریب ہین، اور محمد
رسول اللہ کے حروف پوری شان سے قائم ہین، کہا جاتا ہے کہ کوئی صوفی درویش یہان آکر بیٹھ گئے تھے،
بعض کہتے ہین کہ وہ اس دیوار کے پاس مدفون ہین اور یہ ان کی کرامت ہے،

بہرحال یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا، ذکر مجلس العلما کا تھا، اس مجلس کے پیش نظر یہ کام بھی ہے کر دینی، اور تاریخ
اسلام کے متعلق اردو تصنیفات کو ٹامل مین ترجمہ کر کے ٹامل بولنے والے مسلمانون مین شائع کرے، چنانچہ
اس مجلس سے الگ مگر اسی شہر مین چند علماء مل کر قرآن پاک کا ٹامل مین ترجمہ کر رہے ہین، یہ ترجمہ نظر ثانی
کے لیے دوسرے مستند علماء کے پاس بھیجا جاتا ہے اور اُن کے مشورہ کے بعد ترجمہ مستند ہو کر تحریر مین آتا ہے،

مدراس کے ان علاقون مین عربی مدرسون کی کمی نہین ہے، مجھ سے بیان کیا گیا ہے کہ ان مقامات مین
چالیس سے زیادہ ایسے مدرسے ہین جنپر پچاس ہزار سے لیکر سات لاکھ سالانہ تک کے وقف ہین، خود شہر مدراس مین عربی
کے متعدد مدرسے ہین جنمین ایک ساہوکار جمال محی الدین صاحب مرحوم کا مدرسۂ جمالیہ ہے، جس کے لیے ان کے
صاحبزادہ جمال محمد صاحب اب دار الاقامہ کی نئی عمارت بھی بنوا رہے ہین، اور جس کے تمام اخراجات وہ خود اس کے
وقف سے ادا کرتے ہین، خوشی کی بات یہ ہے کہ یہ مدرسہ جو پہلے پرانی طرز کا تھا، اس مین ایک سال سے اب نئی طرز
پر تجدید اور اصلاح ہوگئی ہے، نصاب بھی نیا بن گیا ہے، جسمین قرآن پاک، حدیث شریف، فقہ، اور ادب عربی کیساتھ
ساتھ حساب جغرافیہ اور تاریخ کا اضافہ کیا گیا ہے، انگریزی لازمی ہوگئی ہے، اور ابتدائی درجون مین ٹامل اور اردو
دونون کی تعلیم دیجاتی ہے، یہ خیال ہے کہ اس مدرسہ کو ان علاقون کے مدرسون کے لیے نمونہ کا مدرسہ بنایا جائے،

اللہ تعالی کامیابی عطا فرمائے،

مدراس کے علاوہ مجھے اس سفر مین ویشارم، آمبور، عمرآباد، وانمباڑی بنگلور، اور میسور بھی جانا پڑا، ہر جگہ بحمد اللہ
مسلمانون کو ہشیار اور بیدار پایا، **ویشارم** جو ایک چھوٹی سی جگہ، مگر مدراس کے اسلامی پایہ تخت آرکاٹ کے قریب
واقع ہے، اور مدراس کے مشہور فیاض و مخیر سی عبد الحکیم صاحب کا وطن ہے، موصوف نے یہان دو شفاخانے قائم
کئے ہین، ایک جسمانی، اور دوسرا روحانی، جسمانی شفاخانہ غربا کا اسپتال ہے، اور روحانی شفاخانہ لڑکون کا مدرسہ ہے
جسمین اردو فارسی عربی، ٹامل، انگریزی اور دینیات کی کتابین پڑھائی جاتی ہین، امید ہے کہ وہان کے مسلمانون
کی نگاہ التفات سے ترقی پائیگا،

آرکاٹ کے کھنڈر جاکر دیکھے، مسجدون اور مقبرون کے سوا تمام عمارتین مٹ گئی ہین، مقبرون مین ایک
پکی قبر ہے، جس پر ایک خوشنما پتھر لگا ہے، جس پر قاضی تلمسانی کا نام اور سنہ وفات لکھا ہے، دیکھکر حیرت ہوئی کہ
کہان آرکاٹ، ہندوستان کا ایک کنارہ، اور کہان تلمسان کے قاضی جو شمالی افریقہ کا مشہور شہر ہے، مگر انھین مسافر و آوارہ
وطن عالمون اور درویشون کا فیض تھا جس نے ہندوستان کے ذرہ ذرہ کو توحید کے نور سے منور کر دیا، ان کی سنگ
کا سنہ گیارھوین صدی ہجری اور کچھ تھا،

آمبور بھی خدا کے فضل سے دولتمند مسلمان سوداگرون کا مرکز ہے، آج سے چند سال پہلے یہان کے تاجرون
کی جو حالت تھی وہ گو باقی نہین ہے تاہم ایسی گئی گذری بھی نہین ہے، یہان ۱۴ کے قریب چھوٹے بڑے مدرسے ہین جنمین
بعض تعلیم کے معیار کے لحاظ سے مکتب کی حیثیت رکھتے ہین، بعض ان سے کچھ اونچے ہین، لڑکیون کے مدرسے بھی ہین مگر یہ
دیکھکر خوشی ہوئی کہ ان مکتبون اور ابتدائی مدرسون مین سے اکثر کی ایسی خوبصورت اور بلند عمارتین ہین، جو ہمارے

یہان کے بڑے بڑے مدرسون اور اسکولون کو حاصل نہین، اللہ نے تجارت مین بڑی برکت رکھی ہی،

آمبور کے قریب وہ تاریخی مقام ہے جسکا نام گرُدھا آمبور ہے، ایک پہاڑ کا دامن ہے، جسمین حیدر آباد و آرکاٹ، اور میسور کی مشہور لڑائی ہوئی ہے، یہ میدان جنگ اب "صلح کا میدان" ہے، روشن کمپنی کے خوش عقیدہ مالکین اور شرکا مین سے محمد عمر صاحب نے اپنے نام سے یہان ایک نو آبادی بسائی ہے، جس مین ان کے ذاتی مکان و باغ کے علاوہ ایک خوشنما مسجد اور ایک عظیم الشان عمارت جامعۂ دار السلام ہے، مدرسہ کی عمارت جس مین درسگاہ، دارالاقامہ، مطبخ، مدرسین کے کمرے اور تمام ضروریات ہین، نہایت مستحکم، خوشنما اور بلند ہے، سترانتی لڑکے ہین، آٹھ دس مدرسین ہین، نصاب مین بھی تجدید و اصلاح کیگئی ہے، اور کوشش کیجا رہی ہے، کہ یہ درسگاہ پورے اضلاع مدارس مین، اصلاحِ اوضاع اور صحتِ عقیدہ کی اشاعت کرے، یہان کے طلبہ اور مدرسین کے سامنے دینی مدارس اور طریقۂ درس کے تغیر و اصلاح پر گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ تقریر ہوئی، اور جدید نصاب کے متعلق مشورے دیے گئے،

وانمباڑی، ان اطراف کے مسلمانون کی تعلیم کا مرکز ہے، یہان مسلمانون کا ایک کالج اور اسکول ہے، اور دونون کی عمارتین خاصی ہین، طلبہ کی تعداد بھی معقول ہے، مگر آدھے سے زیادہ طلبہ اور اساتذہ بھی ہندو ہین، اور دونون ملکر اتحاد و اتفاق سے یہان کام کر رہے ہین، مگر سرمایہ تمامتر مسلمانون کا ہے، اور وہی اس کے منتظم بھی ہین، مگر یہ دیکھکر حیرت ہوئی کہ اسکول مین ہندو اور مسلمان طلبہ اکثر درجون مین اسلیے الگ الگ پڑھتے ہین، کہ ہندوون نے اپنے لیے ذریعۂ تعلیم تامل اور مسلمانون نے اردو کو قرار دیا ہے، ایک ہی ملک کے، ایک ہی شہر کے، ایک ہی کالج کے، ایک ہی درجہ کے طلبہ کی اس حیثیت سے تقسیم تعجب انگیز ہے، یہان بھی میرا لکچر مذہبی تعلیم اور ہندو مسلم اتحاد پر ہوا،

وانمباڑی مین اسکے علاوہ چند عربی مدارس ہین جنمین بعض بہت پرانے ہین چنانچہ وہان کا مدرسہ مفید عام ۱۳۰۰ھ سے قائم ہی، یہان سب سے عجیب چیز لڑکیون کا مدرسہ ہی جس کیلیئے ابھی ایک عظیم الشان عمارت تعمیر ہوئی ہی، پس پردہ لڑکیون کا امتحان لیا، بعض لڑکیون نے نہایت ہی عمدہ صحتِ مخارج کے ساتھ قرآن پڑھا، قرآن پاک کا ترجمہ سنایا، اردو پڑھی، فارسی عبارت کا ترجمہ کیا، یہان بھی مسلمان لڑکیون کی تعلیم پر ایک مختصر تقریر کیگئی، یہان عربی کا ایک پرانا مدرسہ معدن العلوم ہے، جسمین اس دفعہ دوبارہ جانے کا اتفاق ہوا، طلبہ کے اصرار پر یہان عربی زبان مین علماء کے فرائض پر بیٹھے بیٹھے کچھ تقریر کی جس کو طلبہ اور علما رنے توجہ سے سنا،

آمبور سے آتے ہوئے راستہ مین **ویلور** پڑا، یہان بھی کچھ دورِ اسلامی کے یادگار کھنڈر ملے، شہر بڑا ہی، یہان ایک مدرسہ بہت پرانا ہی جسکی تاریخ شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی کے قریب پہنچتی ہی، اور وہان کا فیض بھی وہان پہنچا ہی، دوسرا مدرسہ باقیات صالحات نیا ہی جسکو شاید تیس برس گذرے ہون، یہ مدراس کا سب سے بڑا مدرسہ ہی، مولانا عبدالوہاب صاحب مرحوم نے اسکی بنا ڈالی تھی، عمارت بھی نہایت شاندار ہی، درسگاہین اور لڑکون اور مدرسین کے رہنے کے کمرے بھی بلند و مستحکم ہین، مسجد بھی عظیم الشان ہی، ریل کا وقت کم ہونے کی وجہ سے چند منٹ سے زیادہ یہان ٹھہرنے کا اتفاق نہ ہوا، سرمایہ اس کے پاس کافی ہی، ابھی چند سال ہوئے کہ کسی عبدالحکیم صاحب نے یہان ایک طب کا شعبہ قائم کرنے کے لیے پچاس ہزار روپیے دیئے ہین، اور بھی اسکو بڑی بڑی امدادین حاصل ہین، مگر بایں ہمہ اس کا نصابِ درس پرانا ہے،

بنگلور، میسور کا کنٹونمنٹ اور ریاست کے دفاتر کا صدر مقام ہے، یہان بھی مسلمانون کے مدارس ہین، لڑکیون کا ایک اچھا خاصہ مدرسہ ہے، یہان محمد علی ہال مین مسلمانون کی دینی و دنیوی تعلیم پر تقریر کیگئی، اور نوجوانون کو مذہبی تعلیم کی دعوت دیگئی،

میسور، ہندوستانی ریاستون مین اپنے انتظامات اور سیاسی تنظیم و قانونی آزادی کی حیثیت سے اوّل درجہ کی

ریاست ہے، افسوس ہی کہ یہان مسلمانون کی تعلیمی حالت اچھی نہین، یہان چار پانچ فیصدی سے زیادہ مسلمان نہین، انکی مادری زبان تلنگی ہی، مسلمانون کا کوئی خاص مدرسہ نہین اور نہ کوئی الگ اسکول ہی، حالانکہ یہان تعلیم کا نظام نہایت مکمل ہی، شہر مین دوچار خوشحال علما وہان کے سرکاری کالج کے تعلق سے موجود مین، عیسائیت کی تبلیغ پورے جوش سے جاری ہی، اور اب کچھ کچھ آریت نے بھی دخل پانا شروع کیا ہے، تاہم ایک دو مسلمانون کی کوششون سے جنمین سے ایک "دیوانہ ملا" (مگر یہ ملا "دیوانہ بکار خویش ہشیار ہے") ان کا نام مولانا مسلم ویلوری ہے، انگریزی بھی جانتے مین، انھون نے ایک چھوٹا سا یتیم خانہ قائم کیا ہے، جسمین بیس پچیس یتیم بچے مین، انکی تعلیم و تربیت کا وہ بہترین فرض انجام دے رہے مین، انکو صنعت بھی سکھائی جاتی ہی اور مذہبی تعلیم بھی دیجاتی ہی، اللہ تعالی اُس کے کامون مین برکت دے تو یہان کی ایک اہم چیز ہوگی،

میسور کے اندرونی علاقون مین مسلمانون کی حالت بہت بری ہی، کسی قسم کی تعلیم نہین ہی، جاہل پیرون کو فروغ ہی، جنمین سب سے بڑا حصہ پنجاب کے ایک بڑے کامیاب پیر صاحب کا ہی، ابھی پنجاب سے ایک نابینا مولوی گئے تھے، وہان جاکر اہلحدیث و احناف مین جھگڑا کرا آئے، شہر کی جامع مسجد مین جمعہ کے بعد مسلمانون کی حالت، مسلمانون مین اتحاد و مصالحت اور اسلام کے عقائد صحیحہ پر وعظ ہوا، بعد کو خطون سے معلوم ہوا، کہ اس تقریر سے وہان دونون فرقون کی مخالفت مین بہت کمی ہوگئی، خدا ایسا ہی کرے،

اس ضمن مین سب سے اہم کام یہ ہوا کہ میری کوشش سے نہین بلکہ صرف خدا کے فضل اور بعض مخلص مسلمانون کی ہمت سے جنمین سب سے پہلا نام ساہوکار جمال محمد صاحب کا ہے، دار العلوم ندوۃ العلماء کے دار الاقامہ کے لیے ستائیس ہزار کی رقم چندہ ہوئی جسمین اکیس ہزار وصول ہوگئے، اس طرح ارکان ندوۃ العلماء کو بڑی فکر سے نجات ملی، اللہ تعالی ان سب کو جزائے خیر دے،

مقالات

القضاء فی الاسلام

یعنی

اسلام مین فیصلہ مقدمات

از مولانا عبد السلام صاحب ندوی

مولانا نے یہ مضمون سنہ ۱۹۲۶ء کے نومبر مین اورینٹل کانفرنس کے اجلاس منعقدہ الہ آباد مین پڑھا تھا، اور نئے موضوع ہونے اور مصنف کی تلاش و محنت کے سبب سے خاص طور سے پسند کیا گیا تھا، اس موضوع پر اب تک اردو مین کوئی چیز نہین لکھی گئی اگر وہ اشخاص جو اسلامی قانون سے دلچسپی رکھتے مین، اس قسم کے معلومات کے خواہشمند ہوتے مین اسلئے مناسب معلوم ہوتا ہی کہ اسکو معارف مین بھی شایع کیا جا ئے اور علحدہ رسالہ کی صورت مین بھی چھاپا جائے، "اڈیٹر"

اسلامی نظام حکومت مین قاضی کا منصب نہایت اہم ہے، اس بنا پر اسلام کے اساسی قانون یعنی قرآن مجید مین اس منصب کے تمام ضروری خصوصیات و اوصاف بہ تصریح مذکور مین، مثلاً قاضی کے سامنے جو مقدمات پیش ہوتے مین، ان مین مدعی، گواہ اور قاضی کو دو مختلف فرض انجام دینا پڑتا ہے، مدعی اور گواہ حق کو ثابت کرتے مین اور بشرط ثبوت قاضی اس حق کو مدعا علیہ پر عائد کرتا ہے شرعی اصطلاح مین انھی دونون فرائض کا نام اثبات و الزام ہے، اور ان دونون مین مدعی و گواہ کے فرض یعنی "اثبات" کے لیے صداقت اور قاضی کے فرض یعنی "الزام" کے لیے عدالت ایک لازمی چیز ہے، اسلئے مدعی اور گواہ کا اخلاقی بلکہ قانونی فرض یہ ہے کہ سچائی کے ساتھ دعوی کو ثابت کرین، اور قاضی کا فرض یہ ہے کہ وہ عدل و انصاف کے ساتھ مدعا علیہ پر اس دعوی کا مطالبہ عائد کرے، اسی لیے قرآن مجید نے انفصال مقدمہ کے ان دونون ضروری اجزا کا ذکر بتصریح کیا ہے،

وتمت کلمات ربك صدقا وعدلا، تیرے خدا کے احکام سچائی اور انصاف (دونون حیثیتون) سے مکمل مین

بالخصوص قاضی کے فرض یعنی عدل وانصاف کی ہدایت بار بار کی ہے،

واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل — تم لوگ جب لوگون کے درمیان مقدمات کا فیصلہ کرو تو انصاف کیساتھ کرو،

اور یہ انصاف اس قدر عام ہو کہ غیر قومین بھی اوس سے متمتع ہوسکین چنانچہ یہودیون کے معاملات کے متعلق خود رسول اللہ صلعم کو حکم دیا گیا،

وان حکمت فاحکم بینھم بالقسط ان اللہ یحب المقسطین، — اگر تم یہودیون کے معاملات کا فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ کرو کیونکہ خدا انصاف کرنے والون کو دوست رکھتا ہے،

لیکن یہ عادلانہ فیصلے اُسی وقت کیے جا سکتے ہین جب وہ ایک عادلانہ قانون کے مطابق کیے جائین، اور زمانۂ قدیم مین یہ عادلانہ قانون صرف آسمانی کتابون مین موجود تھا، اسلیے رسول اللہ صلعم کو مخاطب کرکے ارشاد ہوا،

فاحکم بینھم بما انزل اللہ ولا تتبع اھواءھم عما جاءک من الحق، — ان آیات واحکام کے مطابق انکے درمیان فیصلہ کرو جنکو خدا نے اُتارا ہے اور جو حق تمہارے پاس آیا ہے اوسکو چھوڑکر ان لوگون کی خواہشون کی پیروی نہ کرو،

اور جو لوگ عادلانہ قانون کے مطابق فیصلہ نہین کرتے ان کو سخت ملامت کیگئی،

ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکٰفرون — جو لوگ خدا کی اوتاری ہوئی آیات کے مطابق فیصلہ نہین کرتے وہ لوگ کافر ہین،

دوسری آیتون مین اس قسم کے لوگون کو کہین فاسق اور کہین ظالم کہا گیا ہے، اور ایک آیت مین اس کو زمانۂ جاہلیت کا فیصلہ قرار دیا گیا ہے،

وان کثیرا من الناس لفٰسقون افحکم الجاھلیۃ یبغون — اور بہت سے لوگ فاسق ہین کیا یہ لوگ زمانۂ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہین؟

یہی وجہ ہے کہ صرف صالح، ہدایت یافتہ اور برگزیدہ لوگون کو منصبِ قضاء کا اہل قرار دیا گیا، کیونکہ صرف یہی لوگ خدائی احکام اور آسمانی قانون کے مطابق فیصلہ کرسکتے ہین، چنانچہ بہت سے انبیاء کے رشد وصلاح اور ہدایت وبرگزیدگی کے تذکرے کے بعد ارشاد ہوتا ہے،

اولئک الذین اٰتینٰھم الکتٰب والحکم والنبوۃ — یہی وہ لوگ ہین جنکو ہم نے کتاب دی ہے اور فیصلہ اور پیغبری کا منصب عطا فرمایا ہے،

اوران لوگون کے ہاتھ مین نہایت واضح قوانین واحکام دیدیے گئے ہین کہ قانونی پیچیدگیان زنجیرِ عدل کی کڑیون کو باہم الجھانہ دین،

ولقد اٰتینا بنی اسرائیل الکتٰب والحکم والنبوۃ ورزقنٰھم من الطیبٰت وفضلنٰھم علی العٰلمین واٰتینٰھم بینٰت من الامر — ہم نے بنو اسرائیل کو کتاب دی اور فیصلہ اور پیغمبری کا منصب عطا فرمایا اور ان کو پاک روزی اور تمام دنیا پر فضیلت دی اور انکو کھلے ہوے احکام دیے،

منصبِ قضاء کے یہ ایجابی اور وجودی اجزاء تھے، لیکن سلبی اجزاء مین جو چیزین عدل وانصاف مین رکاوٹ ڈالنے والی ہین ان مین سب سے خطرناک چیز رشوت خواری ہے، اسلیے اوسکی نسبت ارشاد ہوا،

ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل وتدلوا بھا الی الحکام لتاکلوا فریقا من اموال الناس بالاثم وانتم تعلمون، — اور اپنے درمیان اپنے مال کو ناروا طور پر نہ کھاؤ اور اوسکو حکام تک رسائی حاصل کرنے کا ذریعہ نہ بناؤ تاکہ لوگون کے مال کا ایک حصہ گناہ کے ساتھ جان بوجھکر خورد برد کرجاؤ،

قرآن مجید کے ساتھ احادیث مین بھی اس منصب کی ذمہ داریون کے متعلق نہایت تفصیلی ہدایات موجود ہین، مثلاً،

من وُلّی القضاء فقد ذُبِح بغیر سکین — جو شخص قاضی مقرر ہوا وہ بے چھری ذبح کردیا گیا،

من طلب القضاء واستعان علیہ وکّل الیہ ومن لم یطلبہ ولم یستعن علیہ انزل اللہ ملکا یسددہ، — جس شخص نے منصبِ قضاء کو خود چاہا اور اس کے حاصل کرنے کیلیے دوسرون کی مدد چاہی تو یہ منصب تنہا اوسی کے سپرد کردیا گیا اور جس شخص نے نہ اسکو چاہا نہ اوس کے حاصل کرنے کیلیے دوسرے کی مدد کا خواستگار ہوا اوسکے لیے خدا ایک فرشتے کو اوتاریگا جو اوسکو سیدھا راستہ دکھائیگا،

القضاۃ ثلاثۃ واحد فی الجنۃ واثنان فی النار — قاضی تین قسم کے ہوتے ہین جنمین ایک جنت مین جائیگا، اور بقیہ دو جہنم مین

فاما الذی فی الجنة فرجل عرف الحق فقضیٰ به ورجل عرف الحق فجار فی الحکم فهو فی النار ورجل قضی للناس علی جهل فهو فی النار،

جو قاضی جنت مین جائیگا وہ وہ ہے جس نے حق کو سمجھکر فیصلہ کیا اور جس قاضی نے حق کو سمجھا لیکن ظالمانہ فیصلہ کیا وہ جہنم مین جائے گا، اور جس نے بے سمجھے بوجھے فیصلہ کیا وہ بھی جہنم مین جائیگا

لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الراشی والمرتشی،

رسول اللہ صلعم نے رشوت لینے والے اور رشوت دینے والے دونون پر لعنت بھیجی،

انھین ذمہ داریون کی بنا پر صحابۂ کرامؓ اس منصب کو بمشکل قبول کرتے تھے، چنانچہ ایک بار خود رسول اللہ صلعم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کو یمن کا قاضی مقرر کرکے روانہ کرنا چاہا تو انھون نے ان الفاظ مین معذرت کی:

ترسلنی وانا حدیث السن ولا علم لی بالقضاء

آپ مجھے روانہ فرماتے ہین حالانکہ مین کمسن ہون اور مجھکو فیصلہ کا علم نہین ہے؛

سنن ابوداؤد مین ہو کہ ایک بار دو شخص آئے اور ایک مجمع مین فیصلہ کے لیے ایک شخص کی تلاش کرنے لگے، مجمع مین سے ایک شخص نے کہا کہ "مین فیصلہ کردونگا" حضرت ابومسعود انصاریؓ نے جو مجمع مین موجود تھے مٹھی بھر کنکری لیکر اس کو مارا اور فرمایا،

مه انه کان یکره التسرع الی الحکم،

ٹھہرو، فیصلہ کرنے کے لیے بہت جلد تیار ہوجانا مکروہ خیال کیا جاتا تھا،

عہدِ رسالتؐ کے بعد حضرت عمرؓ نے بھی اپنے عہدِ خلافت مین ان ہدایات وارشادات پر سختی کیساتھ عمل کیا اور عام طور پر تمام حکام کو لکھ بھیجا،

اجعلوا الناس عندکم فی الحق سواء قریبهم کبعیدهم وبعیدهم کقریبهم وایاکم والرشی[1]

انصاف مین تمام لوگون کو برابر قرار دو، اور قریب وبعید کو یکسان سمجھو اور رشوت سے سخت احتراز کرو،

اس کے ساتھ مزید احتیاط کے لیے یہ قاعدہ مقرر کیا کہ جو شخص معزز اور دولت مند نہ ہو وہ قاضی نہ مقرر

[1] کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۱۷۴،

کیا جائے اور اس کی وجہ یہ لکھی کہ دولتمند رشوت کی طرف راغب نہ ہوگا، اور معزز آدمی پر فیصلہ کرنے مین کسی کے رعب وداب کا اثر نہ پڑے گا،[1]

علانیہ رشوت خواری کے علاوہ بہت سے مخفی طریقے ایسے ہین جنکے ذریعہ سے رشوت لیجا سکتی ہے، مثلاً حکام کو اگر تجارت کی اجازت دیجائے تو وہ اس کے ذریعہ سے بہت کچھ ناجائز مالی فوائد بھی حاصل کرسکتے ہین، اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب قاضی شریحؒ کو منصب قضا پر مامور کیا تو فرمایا،

لاتشترِ ولا تبع ولا ترتشِ[2]

نہ کچھ خریدو، نہ کچھ بیچو اور نہ رشوت لو،

تحفے اور ہدیے بھی درپردہ رشوت بن سکتے ہین، اور موجودہ زمانے مین حکام کے سامنے جو ڈالیان پیش کیجاتی ہین وہ اسی سلسلے کی ایک کڑی ہین، اس لیے خود رسول اللہ صلعم نے تمام عمال کو ہدیہ لینے کی ممانعت فرمائی تھی اور حضرت عمرؓ نے اس کو علانیہ رشوت قرار دیا جس کی وجہ یہ ہوئی کہ ان کی خلافت سے پہلے ایک شخص معمولاً ہر سال ان کی خدمت مین اونٹ کی ایک ران ہدیۃً بھیجا کرتا تھا، ان کے زمانہ خلافت مین وہی شخص ایک بار فریقِ مقدمہ ہوکر دربارِ خلافت مین حاضر ہوا، تو کہا کہ "اے امیر المومنین! ہمارے مقدمہ کا ایسا دو ٹوک فیصلہ کیجئے جس طرح اونٹ کی ران کی بوٹیان ایک دوسرے سے جدا کیجاتی ہین" حضرت عمرؓ اس ناجائز اشارے کو سمجھ گئے اور اسی وقت تمام عمال کو لکھ بھیجا کہ ہدیہ نہ قبول کرو کیونکہ وہ رشوت ہے[3]

فقہا نے اس مین اور بھی سختیان کی ہین، مثلاً ان کے نزدیک قاضی کسی کے یہان مخصوص دعوت بھی نہین کھا سکتا البتہ وہ عام دعوتون (مثلاً شادی بیاہ کی دعوتون) مین شریک ہوسکتا ہے، اپنے اعزہ واقارب کا ہدیہ اگرچہ وہ قبول کرسکتا ہے، لیکن جب ان کا مقدمہ اوس کے اجلاس مین دائر ہو تو اس کو ان کا ہدیہ بھی قبول نہین کرنا چاہیے، اسی طرح اگر کوئی شخص معمولاً اس کو قاضی ہونے سے پہلے ہدیہ

[1] اخبار القضاۃ لمحمد بن خلف وکیع بحوالہ الفاروق [2] کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۱۷۴، [3] ایضاً جلد ۳ صفحہ ۱۷۷،

دیا کرتا تھا تو وہ اگرچہ اس کا ہدیہ لے سکتا ہے، لیکن اگر اس کا مقدمہ اس کے اجلاس مین دائر ہو یا وہ اس حالت مین ہدیے کی مقدار کو بڑھا دے تو قاضی کو اس کے قبول کرنے سے احتراز کرنا چاہیے،[1] رشوت اور ہدیہ کے علاوہ اور بھی بہت سے جذبات و احساسات غلط یا نامنصفانہ فیصلے کا سبب ہو سکتے ہین، اس لئے رسول اللہ صلعم نے ان جذبات و احساسات سے معرا ہو کر فیصلہ کرنے کا حکم دیا اور فرمایا

لا یقضی الحکم بین اثنین وھو غضبان   قاضی غصے کی حالت مین دو آدمیون کے درمیان فیصلہ نہ کرے،[2]

مدعی یا مدعا علیہ کے رونے دھونے سے بھی بہت سے حکام متاثر ہو جاتے ہین، لیکن ان ہدایات کی بنا پر قضاۃِ اسلام پر اس کا کوئی اثر نہین پڑتا تھا، چنانچہ ایک بار قاضی شریحؒ کے اجلاس مین ایک عورت ایک مرد کے خلاف مقدمہ دائر کرنے آئی، اور رونے لگی، امام شعبیؒ بھی وہان موجود تھے وہ اس کے رونے سے متاثر ہو گئے، اور کہا کہ "مین اس غریب کو مظلوم خیال کرتا ہون"، لیکن قاضی شریحؒ پر اس کا کچھ اثر نہ ہوا، اور فرمایا کہ حضرت یوسفؑ کے بھائی بھی تو شام کے وقت اپنے باپ کے پاس روتے ہوئے آئے تھے،[3] ان تمام احکام و ہدایات کے ساتھ امام یا قاضی القضاۃ کو ہمیشہ قاضیون کی نگرانی بھی کرتے رہنا چاہیے،[4]

ان تمام ہدایات کے بعد بھی اسلام مین قاضی کی تنہا رائے انفصالِ مقدمہ کے لیے کافی نہین ہے بلکہ اس کو علماء کی ایک جماعت کے مشورے سے فیصلہ صادر کرنا چاہیے،[5] اور موجودہ زمانے کی قانونی اصطلاح مین اس برگزیدہ جماعت کو جوری یا اسیسر بھی کہہ سکتے ہین،

اسلام مین امام مقدمات کے فیصلون کے لیے ایک ساتھ دو قاضیون کا تقرر بھی کر سکتا ہے اور ایسی حالت مین صرف ایک قاضی کو مقدمات کے فیصلے کا حق نہین حاصل[6] ہوتا اور یہ بعینہ وہی صورت ہے

[1] ہدایہ جلد ثالث صفحہ ۱۰۳، [2] الطرق الحکمیہ صفحہ ۲۰، [3] المقارنات والمقابلات صفحہ ۲۰، [4] المقارنات والمقابلات صفحہ ۲۹، [5] ایضاً صفحہ ۲۹۔

جو موجودہ زمانے کی ہائیکورٹون مین پائی جاتی ہے،

قاضی کے تقرر کے شرائط

فقہا نے قاضی کے تقرر کے لیے دیانت، ثقاہت، عدالت، راستبازی، پاکبازی، نیک کرداری اور اجتہاد کو ضروری قرار دیا ہے، اور قضاۃ اسلام نے ان اخلاقی محاسن کی بعض عجیب و غریب مثالین قائم کی ہین، مثلاً قاضی ابو خزیمہ جب اپنے کپڑے دھوتے تھے، یا شریکِ جنازہ ہوتے تھے، یا اور کوئی ذاتی کام کرتے تھے، تو جب تک ان مشاغل مین مصروف رہتے تھے، اتنے زمانے کی تنخواہ نہین لیتے تھے اور کہتے تھے مین مسلمانون کا ملازم ہون اس لیے جب تک ان کے کام کے علاوہ دوسرے مشاغل مین مصروف رہون مجھے ان کے مال کا لینا جائز نہین ہے،[1] ایک بار ان کو کسی مقدمہ کے متعلق ایک خط ملا جسکو انھون نے اپنی آستین مین رکھ لیا، ایک شخص نے اون سے اس خط کے کھولنے کی درخواست کی تو بولے اس کا تعلق انفصالِ مقدمہ سے ہے، اور فیصلہ کے لیے ایک خاص وقت مقرر کر دیا گیا ہے، چنانچہ جب اجلاس پر بیٹھے تو خط کھولا،[2] ہمارے فقہاء نے قاضی کے تقرر کے لیے یہ شرط بھی لگائی ہے کہ اس کو انسانون کے عام اخلاق و عادات سے بھی واقف ہونا چاہیے کیونکہ بہت سے فیصلے ان پر موقوف ہوتے ہین،[3] اور قضاۃِ اسلام انسانی کیرکٹر کے مختلف مدارج سے جس قدر واقف تھے اوس کی مثال بعض مقدمات کے فیصلہ مین آئے گی،

ہر مذہب کیلئے الگ الگ قضاۃ کا تقرر

آج اگرچہ انگریزی سلطنت کے زیرِ حکومت مختلف مذاہب کے لوگ رہتے ہین لیکن بایں ہمہ ایک ہی جج تمام مذاہب کے لوگون کا فیصلہ کرتا ہے، اسلام مین بھی اگرچہ ایک مدت تک ایک ہی قاضی اسلام کی تمام مختلف المذاہب رعایا کا فیصلہ کرتا تھا، لیکن مصر مین ملک الظاہر بیبرس نے ۶۶۳ھ مین اسلام کے چارون فقہی مذاہب یعنی حنفی، شافعی، مالکی، اور حنبلی کے لیے الگ الگ قاضی مقرر کئے،[4]

قاضی القضاۃ

اسلام مین تمام قاضی ایک اور اعلیٰ عہدہ دار کے ماتحت ہوتے تھے، جسکو قاضی القضاۃ کہتے تھے اور اس زمانے مین اس کو چیف جسٹس کہہ سکتے ہین، اسلام مین سب سے پہلے یہ منصب امام ابو یوسفؒ کو ملا جو

[1] کتاب الولاۃ صفحہ ۳۶۳ و ۳۶۴، [2] ایضاً صفحہ ۳۶۴، [3] ہدایہ جلد ثالث کتاب ادب القاضی صفحہ ۱۰۱، [4] محاضرۃ الاوائل صفحہ ۹۷،

امام ابو حنیفہؒ کے نہایت مشہور شاگرد تھے، اور انھون نے اپنے اثر سے علماء کے لیے ایک خاص لباس رائج کیا اور حنفی مذہب کی عام اشاعت کی[1] چونکہ یہ بہت بڑا ذمہ دارانہ عہدہ تھا اس لیے بعض سلاطین نے اس پر ضمانت کا لینا ضروری سمجھا چنانچہ معز الدولہ نے عبداللہ بن الحسین بن ابی الشوارب کو قاضی القضاۃ مقرر کیا تو یہ شرط لگا دی کہ وہ سالانہ دو لاکھ درہم کی ضمانت ادا کیا کرین[2] اس باطنی اثر و اقتدار کے ساتھ قاضی القضاۃ کا اجلاس ظاہری حیثیت سے بھی نہایت شاندار ہوتا تھا چنانچہ مقریزی لکھتا ہے،

جب خلیفہ خود مختار ہوتا ہے تو ایک آدمی کو جج کا منصب عطا کرتا ہے اور اس کو قاضی القضاۃ کا لقب دیتا ہے، اور اسکا درجہ تمام ارباب العمائم اور ارباب القلم مین سب سے بڑا ہوتا ہے اور وہ بعض اوقات مبلغ (پروپیگنڈسٹ) بھی ہوتا ہے، اور اس کو اس وقت قاضی القضاۃ اور داعی الدعاۃ کہتے ہین، مذہبی امور مین کوئی چیز اس کے اختیارات سے باہر نہین ہوتی اور وہ شنبہ، اور سہ شنبہ کو زیادہ تر جامع عمرو بن العاص مصر مین ایک فرش، اور حریر کے مسند پر بیٹھ کر اجلاس کرتا ہے اور اپنے اپنے مقدمہ کی تاریخ کے مطابق گواہ اس کے گرد دائین بائین بیٹھتے ہین اور اس کے اجلاس مین پانچ دربان ہوتے ہین، دو اس کے سامنے کھڑے رہتے ہین، دو مقصورہ (کٹہرہ) کے دروازے پر رہتے ہین اور ایک فریقان مقدمات کو اس کے سامنے لا کر پیش کرتا ہے، اس کے اجلاس مین چار احکام نویس ہوتے ہین جن مین دو دو آمنے سامنے بیٹھتے ہین، اس کے لیے کرسی دوات ہوتی ہے یعنی ایک روپہلی دوات جو محل کے خزانون سے اس کے پاس بھیجی جاتی ہے، اور ایک خاص تنخواہ دار شخص ہوتا ہے جو اس کو لاتا ہے، اسکی سواری کے لیے اصطبل سے ہمیشہ ایک خچر شہابی رنگ کا بھیجا جاتا ہے اور خچر کا یہ مخصوص رنگ تمام ارباب حکومت مین صرف اسی کے لیے مخصوص ہے، اور اس پر ایک وزنی اور مطلی زین کسی جاتی ہے جو زینون کے خزانہ سے آتی ہے تہوارون

---

[1] محاضرۃ الاوائل صفحہ ۹۰ [2] ایضاً صفحہ ۹۰،

کے موقع پر اسکی خدمت مین طوق بھیجے جاتے ہین اور اس کو ستھرے خلعت پہنائے جاتے ہین لیکن اس کے ساتھ طبل و بوق نہین ہوتا، البتہ جب وہ فیصلۂ مقدمات کے علاوہ تبلیغ و اشاعت کی خدمت بھی انجام دیتا ہے، تو خلعت کیساتھ طبل بوق اور جھنڈیان بھی ہوتی ہین جو ان جھنڈیون کے مثل ہوتی ہین، جنکے ساتھ وزیر صاحب السیف کو مشرف کیا جاتا ہے، اور جب وہ خاص طور پر فیصلہ کے لیے بیٹھتا ہے، تو اس کے گرد قرار کھڑے ہوتے ہین اور اور اس کے سامنے اعلان کرنے والے ہوتے ہین، اور اگر خلیفہ یا وزیر اس جگہ ہوتے ہین تو علانیہ ان کے نام کا اعلان کرتے ہین، اور اس کے سامنے لوگ دربانون اور پہرہ دارون کے ذریعہ سے لائے جاتے ہین اور جہان وہ موجود ہوتا ہے کوئی فوجی یا سویلین عہدہ دار اوس کے آگے نہین بڑھ سکتا، اور کسی جائداد یا جنازے پر بغیر اوسکی اجازت کے نہین جا سکتا، اور جبتک وہ اجلاس پر ہے کوئی شخص اسکو اٹھا نہین سکتا، اور کسی گواہ کی توثیق و تعدیل بغیر اوس کے حکم کے نہین کیجا سکتی وہ دوشنبہ اور پنجشنبہ کے دن خلیفہ کو سلام کرنے کے لیے محل مین بیٹھتا ہے، اور اس کے نائب برابر فیصلہ کرتے رہتے ہین، اور بیت المال کا وکیل اس کے سامنے حاضر ہوتا ہے اور وہ ٹکسال کے دفتر کا بھی نگران ہوتا ہے، اور وہ خود اس کو بند کرتا ہے اور اس پر مہر لگاتا ہے اور اس کے کھولنے کے وقت بھی موجود رہتا ہے[1]

دار العدل اگرچہ عام لوگون کے مقدمات کے فیصلے کے لیے یہ انتظامات کافی تھے، لیکن خود حکام کے مقدمات کے فیصلے کے لیے اسلام مین کوئی مستقل اور علحدہ انتظام نہین تھا، اور آج بھی اسکا کوئی الگ انتظام نہین ہے بلکہ وزیر ہند تک پر بھی عام عدالتون ہی مین مقدمات دائر کیے جاتے ہین، زیادہ سے زیادہ یہ کیا جاتا ہے کہ بعض حکام کے مقدمات کے فیصلہ کے لیے کمیشن مقرر کر دیا جاتا ہے، یا عارضی طور پر خاص عدالتین

---

[1] مقریزی جلد دوم صفحہ ۲۴۶،

قائم کردی جاتی ہین، لیکن اسلام مین ابتدا ہی سے یہ محسوس کیا جاتا تھا کہ اگر ان معاملات مین حکام کی کوئی خاص حیثیت نہ قائم کیگئی، تو اس سے ان کے رعب و داب مین فرق آجائیگا جو سیاست وحکومت کیلئے نہایت ضروری ہے، چنانچہ ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام عمال کو طلب کیا اور ایک تقریر مین فرمایا کہ جس شخص کو عمال سے کوئی شکایت ہو وہ کھڑا ہو کر پیش کرے"، اس پر ایک شخص اٹھا اور کہا کہ "آپ کے عامل نے مجھے سو کوڑے مارے ہین" حضرت عمرؓ نے فرمایا، کیا تم بھی، اوسکو سو کوڑے مارنا چاہتے ہو؟ اوٹھو" لیکن حضرت عمرو بن العاصؓ نے کہا کہ "یہ امر عمال پر گران ہوگا، اور آئندہ کے لیے ایک نظیر قائم ہوجائیگی، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ "یہ نہین ہوسکتا خود رسول اللہ صلعم نے بھی ایسا ہی کیا ہے" بالآخر حضرت عمرو بن العاصؓ نے مستغیث کو اس شرط پر راضی کیا کہ فی تازیانہ دو اشرفیان لیکر اپنے حق سے باز آئے[1]

لیکن دمشق مین جب بعض امرا نے لوگون پر مظالم کئے تو سلطان نور الدین شہید نے مستقل طور پر ایک دار العدل قائم کیا جسمین صرف ان مظالم کا فیصلہ کیا جاتا تھا جو وزرار اور امرار رعایا پر کرتے تھے، اور یہ پہلا دار العدل تھا جو اسلام مین قائم کیا گیا تھا[2]،

ثالث اگر کسی شخص مین وہ تمام اوصاف پائے جائین جو قاضی کے لیے ضروری ہین، تو اس کو دو شخص اپنے مقدمہ کے فیصلہ کے لیے ثالث مقرر کرسکتے ہین، اور اگر وہ دونون اس کے فیصلہ پر راضی ہوجائین تو اسکا فیصلہ نافذ ہوسکتا ہے، البتہ اگر قاضی کے اجلاس مین اس کے فیصلہ کا مرافعہ کیا جائے اور وہ اس کے مذہب کے موافق صحیح نہو تو وہ اوسکو منسوخ کرسکتا ہے، لیکن حدود وقصاص یعنی فوجداری کے مقدمات مین کسی شخص کو ثالث مقرر کرنے کا حق حاصل نہین ہے[3]، اور موجودہ قانون بھی اسکی اجازت نہین دیتا،

قاضی کے فرائض واختیارات اسلام مین انفصال مقدمات کے علاوہ قاضی کے اور بھی چند فرائض ہین، اور اس کے اختیارات مین اور بھی چند چیزین داخل ہین مثلاً اسلام مین :-

[1] کتاب الخراج صفحہ ۶۶، [2] محاضرۃ الاوائل صفحہ ۹۰، [3] ہدایہ جلد ثالث صفحہ ۸۰،

(۱) اوقاف کی نگرانی بھی قاضی کے فرائض مین داخل ہے، اور قضاۃ اسلام نے جس مستعدی اور دیانت کے ساتھ اس فرض کو ادا کیا ہے، تاریخ اسلام اس پر ناز کرسکتی ہے مثلاً مصر مین پہلے اوقاف کا کوئی باضابطہ انتظام نہ تھا بلکہ وہ یا تو خود اہل وقف کے قبضے مین تھے یا ان کے متولی انکا انتظام کرتے تھے، لیکن ہشام کے عہد خلافت مین جب توبہ بن نمر مصر کے قاضی مقرر ہوئے تو انھون نے کہا کہ "منافع وقف کے اصلی مستحق صرف فقرا، اور مساکین ہین، اس لیے مین ان کو خود اپنے قبضے مین لینا چاہتا ہون تاکہ وہ ضائع نہ ہونے پائین اور ان مین وراثت نہ جاری ہونے پائے" چنانچہ انھون نے مصر کے تمام اوقاف کا انتظام اس وسیع پیمانے پر کیا کہ ان کے مرنے سے پہلے پہلے اوقاف کا ایک عظیم الشان محکمہ قائم ہوگیا[1]، اور اس کے بعد تمام قضاۃ نے مختلف طریقون سے نہایت مستعدی کے ساتھ اوقاف کی نگرانی کی، چنانچہ قاضی محمد بن ابو اللیث نے تمام اوقاف کا بذات خود معائنہ کیا، اور خود اپنے قلم سے ان کی فہرست مرتب کی اور بہت سے اوقاف کے متعلق فیصلے کئے[2]، قاضی ہارون بن عبد اللہ مصر کے قاضی مقرر ہوکر آئے تو تمام اوقاف کے مداخل ومصارف سے واقفیت حاصل کی اور اس سے ایک وقف بھی نہ چھوٹا[3]، مصر کے جو اوقاف قضاۃ اور اہل اوقاف کے قبضے مین تھے، قاضی لہیعہ نے شہادت لیکر یا خود اہل اوقاف سے اقرار کراکے ان کی تجدید کی، چنانچہ اس پر ایک شخص نے ان کی تعریف کی تو فرمایا کہ "مین ایک مدت سے اس کو چاہتا تھا، اور خدا سے میری دعا تھی کہ مجھکو ان اوقاف کے فیصلے کا موقع عطا فرمائے اب یہ موقع نصیب ہوا تو مین نے ایک ایک وقف کے متعلق اپنا فیصلہ صادر کیا اور ہر ایک کے متعلق نئی شہادتین حاصل کین[4]"، قاضی عبد اللہ عبد الرحمان بن عبید اللہ العمری نہایت مستعدی کے ساتھ اوقاف کو قائم وآباد رکھنا چاہتے تھے، چنانچہ خود اونکی نگرانی کرتے تھے اور دن کے اکثر حصے مین معمارون کے ساتھ بیٹھکر وقف شدہ عمارات کی مرمت کرواتے تھے، چنانچہ ایک بار ان سے کہا گیا کہ "امام مالکؒ کے نزدیک اوقاف کی مرمت ضروری نہین" تو بولے کہ

[1] کتاب ولاۃ مصر للکندی صفحہ ۳۴۶، [2] ‹‹ صفحہ ۵۰۴، [3] ‹‹ صفحہ ۴۴۴، [4] ‹‹ صفحہ ۴۲۴،

اگر وہ مست ہی نہ ہوگی تو وہ کیونکر قائم رہ سکین گے،[1] قاضی عبد الملک بن محمد الخرمی نے ہر مہینے کے تین دن اوقاف کی نگرانی کے لیے خاص کر دیئے تھے جس مین محکمہ اوقاف کے اہل کارون کو ساتھ لیکر ان کی مرمت، اصلاح، اور صفائی کا حکم دیتے تھے، اگر ان مین کوئی خرابی نظر آتی تھی تو متولی کو دس کوڑے مارتے تھے،[2]

(۲) یتیمون کے مال اور جائداد کی نگرانی بھی قاضی کے فرائض مین داخل تھی، اور قضاۃ اسلام نے اس فرض کو بھی نہایت مستعدی کیساتھ ادا کیا ہے، چنانچہ مصر مین پہلے یتیمون کے مال و دولت کا کوئی باضابطہ انتظام نہ تھا، لیکن قاضی عبد الرحمن بن خدیج نے سب سے پہلے اس کا انتظام کیا اور ہر قبیلے کے چودھری (عریف) کو اس کا ضامن بنایا،[3] اس کے بعد قاضی خیر بن نعیم نے سب سے پہلے خلیفہ ابو جعفر کے حکم سے اس کو بیت المال مین داخل کیا اور اس کے لیے علیحدہ علیحدہ رجسٹر بنوائے، جنمین ہر یتیم کے مال کے مصارف و مداخل درج ہوتے تھے،[4] قاضی مفضل بن فضالہ یتیمون کے معاملات پر اس قدر نظر رکھتے تھے کہ ان کی نسبت ایک بزرگ بار بار کہا کرتے تھے کہ

ولی الیتیم کابیہ[5] یعنی یتیم کے باپ کی طرح اوسکی ولایت کا فرض ادا کیا،

قاضی ہارون بن عبد اللہ مصر کے قاضی مقرر ہوئے تو بذات خود یتیمون کے مال کا معاینہ کیا، اس کا حساب لیا اور ان کے معاملات مین کوئی خرابی دیکھی تو ان کے اولیا، کو سزا دی اور علانیہ ان کی تشہیر کی،[6] قاضی محمد بن ابو اللیث نے عام اعلان کر دیا تھا کہ جس شخص کے قبضہ مین یتیمون کا مال ہوگا اور وہ اس کو حاضر نہ کرے گا تو وہ قانونی حفاظت کے حدود سے خارج کر دیا جائیگا، چنانچہ اس اعلان کے بعد ان کے رعب و داب سے خائف ہوکر لوگون نے یتیمون کا تمام سرمایہ اپنے قبضے سے نکال کر بیت المال مین داخل کر دیا،[7] قاضی عمری پہلے شخص تھے جنھون نے بیت المال مین ایک صندوق بنوا کر رکھدیا تھا

[1] کتاب ولاۃ مصر للکندی صفحہ ۲۹۵، [2] رصفحہ ۳۸۳، [3] صفحہ ۳۲۲، [4] رصفحہ ۳۵۵، [5] رصفحہ ۳۸۲، [6] رصفحہ ۴۴۴، [7] رصفحہ ۵۰۴،

جس مین یتیمون کا تمام سرمایہ جمع کیا جاتا تھا،[1] قاضی ہارون بن عبد اللہ اگرچہ بذات خود یتیمون کے مال کی نگرانی نہایت دیانت سے کرتے تھے، لیکن جس صندوق مین یہ مال جمع کیا جاتا تھا، اوسکی کنجی غیر محتاط اشخاص کے سپرد کر دی تھی اور وہ اس مال کو بہت کچھ خورد برد کر جاتے تھے، چنانچہ قاضی محمد بن ابی اللیث نے ان پر اس کے متعلق مقدمہ دائر کر وا دیا،[2]

(۳) جو لوگ موجود نہ ہون ان کے مال کی نگرانی بھی قاضی کے فرائض مین داخل تھی، اور قضاۃ اسلام نے اسی دیانت و سرگرمی سے ان کی نگرانی بھی کی، چنانچہ قاضی ہارون بن عبد اللہ نے اس قسم کے لوگون کے تمام مال و دولت کو اکٹھا کر کے بیت المال مین داخل کیا اور ان کے لیے رجسٹر بنوائے،[3] قاضی محمد بن ابی اللیث نے عام اعلان کر دیا تھا کہ جن لوگون کے ہاتھ مین غیر موجود اشخاص کا مال ہوگا، اگر وہ اس کو حاضر نہ کرینگے تو قانونی حفاظت سے محروم کر دیئے جائینگے،[4]

(۴) لاوارث لوگون کے مال و دولت کی نگرانی بھی قضاۃ کے فرائض مین داخل تھی، اور انھون نے اسی ایمانداری کے ساتھ اس فرض کو بھی انجام دیا، چنانچہ قاضی ہارون بن عبد اللہ نے اس قسم کے لوگون کے تمام سرمایہ کو اکٹھا کر کے بیت المال مین داخل کیا اور اس کے لیے رجسٹر بنوائے،[5] قاضی عمری نے ایک صندوق بنوا کر بیت المال مین رکھدیا تھا جس مین یتیمون اور لاوارثون کا مال جمع کیا جاتا تھا،[6]

انفصال مقدمہ | لیکن قاضی کا سب سے عام اور اہم فرض انفصال مقدمہ ہے، اور اس حیثیت سے اسلام مین قاضی کے فرائض حسب ذیل ہین،

۱۔ وہ مقدمہ کی پیشی اور شہادت گذرانے کے لیے ایک تاریخ مقرر کرے،

۲۔ تاریخ معینہ پر اگر مدعی گواہون کو نہ پیش کر سکے تو وہ اوس کے خلاف فیصلہ کر سکتا ہے،

۳۔ وہ مقدمہ کے فیصل کرنے کے بعد خود اپنی مرضی سے اس پر نظر ثانی کر سکتا ہے،

[1] کتاب ولاۃ مصر للکندی صفحہ ۴۰۵، [2] صفحہ ۴۰۵، [3] رصفحہ ۴۴۴، [4] رصفحہ ۴۰۵، [5] صفحہ ۴۴۴، [6] رصفحہ ۴۰۵

۴۔ اوس کو انفصالِ مقدمہ مین غصہ کرنا اور گھبرانا نہین چاہئیے،[1]

۵۔ اس کو مدعی، اور مدعا علیہ کے ظاہری بیان اور وضاحتِ تقریر کے مطابق فیصلہ کرنا چاہئیے گو یہ ممکن ہے کہ یہ فیصلہ اندرونی حالات اور صحیح واقعات کے لحاظ سے صحیح نہو،[2] یہی وجہ ہے کہ گو کسی جج کو مقدمہ کی اصلی حالت معلوم ہو، لیکن وہ اپنے علم کے مطابق فیصلہ نہین کر سکتا بلکہ اس معاملے مین اسکی حیثیت صرف ایک شاہد کی ہو گی،

۶۔ اس کو مدعی، اور مدعا علیہ دونون کے بیانات کو سنکر فیصلہ کرنا چاہئیے،[3]

۷۔ وہ اگر فریقین کے درمیان صلح کرا دے تو بہتر ہے،[4]

۸۔ اُس کو فریقین کے ساتھ یکسان برتاؤ کرنا چاہئیے،[5]

۹۔ اگر مدعی مدعا علیہ کو حاضرِ عدالت کرانا چاہتا ہے تو قاضی کا فرض ہے کہ وہ اس کو طلب کرے، البتہ اس مین اختلاف ہے کہ صرف دعوی کرنے کے ساتھ ہی اس کو طلب کرنا چاہئیے، یا جب مدعی یہ ثابت کر چکے کہ دعوی کی کوئی اصلیت ہے،[6] مدعا علیہ کے حاضر کرنے کے جو طریقے اس زمانے مین مستعمل ہین قریب قریب وہی طریقے اسلام مین بھی ہین،[7]

۱۰۔ فریقین کو قاضی کے سامنے بیٹھنا چاہئیے،[8]

موجودہ زمانے مین بھی انفصالِ مقدمات کے وقت یہ تمام پابندیان ایک جج پر عائد ہوتی ہین، لیکن آج حکام کی بدمزاجی اور گھبراہٹ عموماً مشہور ہے، اور مساوات بین الفریقین کے متعلق بمشکل کہا جا سکتا ہی کہ

[1] کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۱۷۴، ودار قطنی صفحہ ۵۱۲، [2] صحیح مسلم کتاب الاقضیہ باب الحکم بالظاہر واللحن بالحجۃ، [3] الطرق الحکمیہ صفحہ ۱۹۶ [4] ابوداؤد کتاب التقضیہ باب کیف القضاء، [5] صحیح مسلم کتاب الاقضیہ باب استحباب اصلاح الحاکم بین الخصمین [6] دارقطنی صفحہ ۵۱۲ [7] الطرق الحکمیہ صفحہ ۱۰۱و۱۰۲، [8] المقارنات والمقابلات صفحہ ۵۰، [9] ابوداؤد کتاب الاقضیہ باب کیف یجلس الخصمان بین یدی القاضی ۔

ہمارے حکام ان پر عمل کرتے ہین یا کم از کم کر سکتے ہین، لیکن اسلام کی عدالتی تاریخ مین اس پر اس شدت سے عمل کیا گیا ہے کہ ایک بار حضرت علی کرم اللہ وجہ کے یہان ایک شخص آیا اور انھون نے اس کو کئی دن تک مہمان رکھا لیکن ایک دن جب وہ فریقِ مقدمہ بنکر ان کے سامنے حاضر ہوا تو بولے "اب آپ تشریف لیجائیے ہم فریق کو صرف فریق کے ساتھ ٹھہرا سکتے ہین"،[1] یہی وجہ ہے کہ فقہار نے لکھا ہے کہ اگر قاضی ایک فریق کی مہمانداری کرے تو اس کا فرض ہے کہ دوسرے فریق کو بھی مہمان بنائے۔

یہ صرف دورِ خلافت راشدہ کی مستثنیٰ مثال نہین ہے بلکہ زمانہ مابعد کے قضاۃ نے بھی اسی اصولِ مساوات پر عمل کیا ہے، چنانچہ ایک بار خلیفہ عبد الملک قاضی خیر بن نعیم کے اجلاس مین اپنے چچا زاد بھائی کا فریق بنکر آیا اور ان کے فرش پر بیٹھ گیا، انھون نے کہا کہ "اپنے چچا زاد بھائی کے ساتھ کھڑے ہو" عبد الملک کو یہ ذلت گوارا نہین ہوئی اور مقدمہ کو چھوڑ کر چلا آیا،[2]

ایک بار خلیفہ ابو جعفر نے قاضی غوث بن سلیمان سے اپنا ایک ذاتی مقدمہ فیصل کرانا چاہا، جب داخلہ مقدمہ کے تمام شرائط پورے ہو چکے تو انھون نے نہایت تہذیب سے کہا کہ "اب اگر مناسب ہو تو امیر المومنین اپنے فریق کے برابر بیٹھ جائین"، چنانچہ وہ ان کے فرش سے اتر کر اپنے فریق کے برابر بیٹھ گیا۔[3]

سماعتِ مقدمات

اسلام مین دعوون کی تین قسمین کی گئی ہین،

۱۔ بعض دعوے تو ایسے ہوتے ہین جنکی تردید و تکذیب خود رسم و رواج سے ہو جاتی ہی مثلاً ایک شخص ایک طویل مدت سے ایک گھر پر قابض ہی، ایک شخص اوسکے قبضہ و تصرف کو دیکھتا ہی لیکن اس طویل مدت مین کوئی روک ٹوک نہین کرتا اور یہ بھی ظاہر نہین کرتا کہ اس گھر سے اسکا حق متعلق ہی کسی قسم کا خوف بھی اس اظہار مین مانع نہین ہی، اور ان دونون اشخاص مین قرابت یا وراثت کا کوئی تعلق بھی نہین ہی بانیہمہ وہ اس طویل مدت کے بعد اس گھر کی ملکیت کا دعویدار ہوتا ہے،

۲۔ اس کے بالکل برعکس بعض دعوی ایسے ہوتے ہین جنکی نسبت خود رسم و رواج سے معلوم ہو جاتا ہی کہ وہ سچ ہین

[1] کنز العمال صفحہ ۱۰۲، [2] کتاب ولاۃ مصر للکندی صفحہ ۳۵۶، [3] ایضاً صفحہ ۳۷۵،

یا سچے ہو سکتے ہین مثلاً ایک مسافر کا یہ دعوی کہ فلان شخص کے پاس مین نے فلان چیز امانۃً رکھی ہی یا یہ کہ مین نے اپنی فلان مسفر کو فلان چیز کا امین بنایا ہے،

۳۔ ان دونون کے درمیان بعض دعوے ایسے ہوتے ہین جنکی تصدیق اگرچہ رسم و رواج سے نہین ہوتی تاہم رسم و رواج سے انکی تردید و تکذیب بھی نہین ہوتی مثلاً دو شخصون مین باہم بالکل بیگانگی ہی لیکن باین ہمہ ان مین ایک شخص دوسرے پر اپنے قرض کا دعوی کرتا ہے[۱]، ان تینون قسمون مین پہلے قسم کے دعوی کی تو سماعت ہی نہین ہو سکتی البتہ اخیر کے دونون دعوے قابل سماعت ہین، اور ان کی سماعت کے متعلق قاضی کو حسب ذیل اختیارات حاصل ہین،

۱۔ ایک کام کو وہ کرنا نہین چاہتا لیکن مقدمہ مین صحیح نتیجہ تک پہنچنے کیلئے وہ کہہ سکتا ہی کہ مین ایسا کرونگا[۲]،

۲۔ وہ ایک شخص کے اقرار کے خلاف فیصلہ کر سکتا ہی، بشرطیکہ یہ ثابت ہو جائے کہ انصاف و صداقت کا اقتضا اوس کے اقرار کے خلاف ہے[۳]،

۳۔ ایک حاکم دوسرے حاکم کے فیصلہ کو منسوخ کر سکتا ہی[۴]، جسکے معنی یہ ہین کہ اسلام نے اپیل کا دروازہ کھول دیا ہے،

۴۔ وہ مقدمات مین صحیح نتیجہ تک پہنچنے کے لیے قرائن و علامات سے کام لے سکتا ہی[۵]، کیونکہ اسلام مین مقدمات کے فیصلون کی ایک بنیاد صلحاء کے فیصلون کی نظیر ہے[۶]، اور انبیاء گذشتہ کے بعض فیصلون سے یہ اختیارات مستنبط ہوتے ہین چنانچہ سنن نسائی کتاب آداب القضاء مین یہ روایت موجود ہی کہ ایک بار دو عورتین اپنے اپنے لڑکون کو ساتھ لیکر باہر نکلین، سوء اتفاق سے ایک کے لڑکے کو بھیڑیا اٹھا لیگیا، اور جو لڑکا بچگیا اس کے متعلق دونون مین نزاع پیدا ہوئی، اور مقدمہ حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت مین پیش ہوا انھون نے اُس عورت کے حق مین فیصلہ کیا جو دونون مین بڑی تھی، فیصلہ کے بعد دونون حضرت سلیمان علیہ السّلام کے پاس سے ہو کر گذرین تو انھون نے

[۱] الطرق الحکمیہ صفحہ ۔ [۲] سنن نسائی کتاب آداب القضاء، باب السعۃ للحاکم فی ان یقول للشئ الذی لا یفعلہ افعل لیستبین الحق

[۳] الطرق الحکمیہ صفحہ ۔ [۴] سنن نسائی کتاب آداب القضاء، باب نقض الحاکم ما یحکم بہ غیرہ ممن ہو مثلہ او اجل منہ

[۵] الطرق الحکمیہ صفحہ ۔ [۶] سنن نسائی کتاب آداب القضاء، باب الحکم باتفاق اہل العلم،

کہا کہ حضرت داؤد علیہ السّلام نے کیا فیصلہ کیا؟ ان دونون نے واقعہ بیان کیا تو بولے دو چھری لاؤ مین اس کو دو ٹکڑے کر کے دونون کے درمیان تقسیم کر دون، "لیکن چھوٹی عورت اس پر راضی نہین ہوئی، اور کہا کہ "مین اپنا حصہ بھی اپنے فریق ہی کو دیتی ہون" انھون نے یہ لڑکا اسی کو دلوایا، اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ

۱۔ انھون نے اس لڑکے کے دو ٹکڑے ہونے کی دھمکی اس لیے دی تھی کہ جس کا لڑکا ہے اس کی محبت اس کو گوارا نہ کرے گی، اور وہ اس پر راضی نہ ہوگی، حالانکہ وہ درحقیقت ایسا کرنا نہین چاہتے تھے،

۲۔ اگرچہ چھوٹی عورت نے یہ تسلیم کر لیا تھا کہ اس کا حصہ بھی بڑی عورت کو دے دیا جائے، لیکن حضرت سلیمان علیہ السّلام نے اس کے اقرار کے خلاف فیصلہ کیا،

۳۔ انھون نے حضرت داؤد علیہ السلام کے فیصلہ کو منسوخ کر دیا،

۴۔ انھون نے چھوٹی عورت کی عدم رضامندی کو قرینہ قرار دیا اور اس سے اس کی محبت کا پتہ لگایا،

غنی کشمیری

از

جناب مولوی اکرام الحق صاحب تسلیم ایم اے

جناب مولوی اکرام الحق صاحب تسلیم ایم اے

غنی آن سخنگوئے بلبل صفیر — نوا سنجِ کشمیر مینو نظیر

چو آن محفل افروز در خانہ نیست — تہی تر از و ہیچ کاشانہ نیست (اقبال)

ہندوستان کے ان مشاہیر فارسی شعرا مین سے جنپر فارسی شاعری ہمیشہ ناز کرے گی، ایک مولانا غنی کشمیری ہین، تعجب ہے کہ علامہ شبلی نعمانیؒ نے جہان ابو طالب کلیم کا تذکرہ کیا ہے، وہان ان کے ہمسر اور ہمعصر ملا محمد طاہر غنی کی طرف توجہ نہین فرمائی، اسکی وجہ یا تو یہ ہو سکتی ہے، کہ غنی کسی نئی طرز کے موجد نہ تھے یا یہ کہ ان کا کسی دربار سے تعلق نہ تھا، وجہ کچھ ہی ہی، اس سے کسی کو انکار نہین ہو سکتا کہ وہ اس قابل ضرور ہین کہ دنیا کو ان سے اور ان کے کلام سے روشناس کیا جائے،

جیسا کہ عام طور پر فارسی شعراء کے سوانح حیات کا حال ہے، مولانا غنی کے حالات زندگی بھی مفصل معلوم نہین، تذکرہ نویس اپنی عادت کے موافق بجز دو چار مدحیہ جملون کے اور کچھ نہین لکھتے، شاعر کے اخلاق و عادات، خط و خال، خواطر و تفردات، ایسی چیزین ہین جنسے ان کو سروکار نہین ہوتا، غنی اس کلیہ سے کب مستثنیٰ ہو سکتے تھے، چنانچہ ان کی تاریخ تولد، والد کا نام، خاندانی حالات، طرز معاش، وغیرہ تک تاریکی مین ہین،

ابتدائی حالات بعلم: تذکرہ شمع انجمن مرتبہ نواب صدیق حسن خان مین صرف اتنا لکھا ہے:-

"غنی کشمیری از قبیلہ اسئی است"

تذکرہ نویس تو خیران باتون کو غیر ضروری سمجھتے ہین، افسوس تو یہ ہے کہ خود مولانا نے بھی اپنے ابتدائی حالات کا صراحتہً یا کنایتہً کہین ذکر نہین کیا، اتنا مسلم ہے، کہ کشمیر کے رہنے والے تھے، اور ۱۰۷۹ھ[1] مین وفات پائی، ڈاکٹر ریو فرماتے ہین[2] کہ غنی نے عالم شباب مین انتقال کیا، ان کا یہ قول غالباً مرزا محمد افضل سرخوش کے بیان پر مبنی ہے[3] جسکی اصلی عبارت یہ ہے،

"اما مرغ روحش در عین شباب بسر پنجہ شاہین اجل گرفتار گردید"

مگر مجھے اس سے اختلاف ہے اور اس کے دو وجوہ ہین،

(۱) غنی اپنے اشعار مین متعدد جگہ اپنی پیری کا ذکر کرتے ہین، اور نہایت صریح طور پر، ملاحظہ ہو

(۱) زپیری چنان گشتہ ام ناتوان — کہ دندان بجنبد بجائے زبان

(۲) ریخت دندان ز دہن رفت جوانی برباد — آہ ازین ژالہ کہ در مزرع بختم افتاد

(۳) از ضعف پیری است مرا تکیہ چون عصا — گردم ہنوز بر زہ چون طفلان نے سوار

(۴) زپیری ریخت دندانم مدادم تن بیاد حق — بباز ی آخرین تسبیح چون اطفال گم کردم

(۵) موئے سر گردم سفید اما خیالات در سر است — اخگر پنہان تہ این تودۂ خاکستر است

(ب) غنی کو ضعف اعضا کی بیحد شکایت تھی، درد بھی لاحق تھا، وہ اس سے اسقدر تنگ آگئے تھے کہ دعا کرتے تھے: "باشد اے کاش عمر کوتاہ مرا"[4] انھون نے خود اس ضعف کی مفصل کیفیت بیان کی ہے فرماتے ہین:-

قوت رفتار دارم باوجود ضعف پا — چون قدم در رہ گذارم میرود پایم ز جا

پشت پا گردید خم افزود ضعف تن مرا — گرچہ محکم می شود چون رشتہ میگردد دوتا

[1] دیوان منتخب سراج مین بھی سنہ وفات ۱۰۷۹ ادیا ہے، [2] فہرست کتب فارسیہ محفوظہ موزۂ برطانیہ صفحہ ۶۹۲ [3] دیوان غنی مطبوعہ نولکشور صفحہ ۱۲۲

گرچنین از درد اعضا خشک گردد پیکرم	می شود انگشت پایم رفتہ رفتہ خار پا

در علاج درد اعضا سخت حیران ماندہ ام	کاش میکردم ز حیرت یکنفس گم دست و پا

گشتن از پہلو بہ پہلوئے دگر معراج ماست	نردبانے بہر ما گردید نقش بوریا

بسکہ در اعضائے ما افتادہ از خشکی شکست	ہر رگ ما گشتہ موے کاسۂ زانوئے ما

میرے اعضا اس قدر شکستہ ہو گئے ہیں کہ ہر رگ زانو ایسی معلوم دیتی ہے جیسے کاسۂ چینی میں بال آگیا ہو، شعر میں لطیف ابہام ہے، جب چینی میں بال آجائے تو وہ ٹوٹ جاتی ہے ع ہو بے صدا وہ چینی جس میں کہ بال آیا،

قوت جذب پر کاہے بدست ما نماند	کاش بودے استخوان دست ما از کہربا

روزگارے معنی لغزش نفہمیدم کہ چیست	عاقبت افتاد این معنی مراد در پیش پا

لشکر ضعف ار بتازد بر سر من باک نیست	می گریزم لنگ لنگان در پناہ مصطفیٰ[1]

قصہ درد مدت عذر دریچ پا یا نے غنی	تا بکے پیش طبیبان سر کنی این ماجرا

ایک رباعی میں فرماتے ہیں،

دارم دردے کہ ہست جانکاہ مرا	باشد اے کاش عمر کوتاہ مرا

ہرچند کہ نیست ہمدم این دردے	دایم تا مرگ است ہمراہ مرا

غنی کی نحیف البدنی کا یہ حال تھا کہ "از پیکر ہیولائش پوستے و استخوانے ماندہ بود[1]" "عین شباب" میں اعضا کا اس قدر ضعیف ہو جانا مستبعد ضرور ہے، اور خاصکر جب پیری کا صریح ذکر موجود نہ ہو، تو صرف یہی نتیجہ نکل سکتا ہے کہ مولانا نے عالم شباب میں نہیں بلکہ عالم شیب میں وفات پائی،

تعلیم | تحصیل علم کا ان کو نہایت شوق تھا[2]، اور علوم مروجہ میں کمال حاصل کیا تھا، مولانا کا خطاب

لہ تمہید دیوان غنی مطبوعہ نولکشور ص د م ۲ سرخوش کلمات الشعرا قلمی نسخہ،

اسی بات پر دال ہے، شاعری تو ان کے نزدیک ایک ثانوی چیز تھی، تمہید دیوان میں[1] ہے،

"علم را نقاب عرفان ساختہ شعر غنی پرداری ہر دمی نمود و معارف حقیقی در لباس علوم رسمی روپوش می ساخت"

اس بیان کی تصدیق وہ خود بھی فرماتے ہیں ؎

زشعر من شدہ پوشیدہ فضل و دانش من	چون میوہ کہ بماند بزیر برگ نہان

ابتدائے سخن گوئی | مرزا محمد افضل سرخوش کلمات الشعرا میں لکھتے ہیں "تاریخ شعر گفتن او از لفظ غنی برمی آید" اگر یہ صحیح مانا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا، کہ مولانا نے ۱۰۶۰ھ میں شاعری شروع کی، ابو طالب کلیم ۱۰۶۱ھ میں مرے ہیں، غنی نے تاریخ کہی ہے،

"طور معنی بود روشن از کلیم"

یہ مسلم ہے، کہ کلیم مولانا کے رفقا میں سے تھے، علامہ شبلیؒ ایک جگہ ضمناً لکھتے ہیں[2] کہ "یہ تینوں شاعر (کلیم، صائب اور غنی) کشمیر میں مدت تک ہمدم اور ہم قلم رہے، اور باہم مشاعرے رہتے تھے"

اب دیکھئے ۱۰۴۲ھ میں ظفرخان احسن کشمیر کی صوبہ داری پر فائز ہوا ہے، اور مرزا صائب اس کے ساتھ کشمیر آئے ہیں، اور وہاں سے ہوتے ہوئے باپ کے ساتھ وطن کو واپس چلے گئے ہیں[3] علامہ شبلیؒ فرماتے ہیں[4]، کہ "مرزا نے اخیر زندگی تک ایران سے قدم باہر نہیں نکالا"، ضرور ہے کہ ان حالات کے ہوتے ہوئے ۱۰۴۲ھ ہی میں غنی سے ملاقات ہوئی ہوگی، اور کچھ مدت ہم صحبتی کا لطف رہا ہوگا، کلیم کی وفات پر غنی نے جو قطعۂ تاریخ لکھا ہے، اس میں ایک شعر ہے، ؎

عمرہا در یاد او زیر زمین
خاک بر سر کرد قدسی و سلیم

لہ ص ۴، ۲ شعر العجم ج ۳ ص ۱۹۸ ۳ ایضاً ص ۱۷۵ ۴ ایضاً،

حاجی جان محمد قدسی اور علی قلی سلیم دونون مولانا کے زمرۂ احباب مین داخل تھے[۱]، اور مسلّم طور پر سنہ ۱۰۶۱ھ سے پہلے فوت ہوئے، کلیم بھی سنہ ۱۰۵۵ھ مین کشمیر مین تھا[۲]، یہ ممکن نہین کہ ان تمام باکمال شعرا کی ہم صحبتی کے باوجود غنی سخن سنجی کی طرف ملتفت نہ ہوئے ہون، مگر دفعۃً سنہ ۱۰۶۰ھ ہی مین بالکل بیساختہ طور پر غنی تخلص اختیار کر کے شاعری شروع کردی ہو، اس بات کا واضح ثبوت کہ مولانا غنی سنہ ۱۰۶۰ھ سے بھی پہلے شاعری کرتے تھے ان کے اس شعر سے حاصل ہوتا ہے،

گلشنِ کشمیر را امسال شادابی کم است | گر گلِ ابرے نمایان آن ہم بے نم است

یہ ایک تاریخی واقعہ ہے کہ سنہ ۱۰۵۰ھ مین کشمیر پر قحط کا سخت حملہ ہوا ہے، اس وقت تربیت خان حاکمِ کشمیر تھا، مولانا غنی بداہۃً اسی قحط کی طرف اشارہ کرتے ہین، دیوان مین ایک قطعہ ہے جس سے الٰہی شاعر کی تاریخِ وفات سنہ ۱۰۵۲ھ برآمد ہوتی ہے، اس مین تخلص طاہر دیا ہے،

گفت تاریخِ وفاتش طاہر | بردا الٰہی زجہان گوئے سخن

قیاس ہوسکتا ہے، کہ ممکن ہے شروع مین طاہر تخلص کرتے ہون اور بعد مین غنی اختیار کیا ہو، اور وہ حسنِ اتفاق سے سنہ ۱۰۵۲ھ مین، اس پر یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ دیوان مین بجز اس قطعہ کے اور کوئی غزل یا فرد نہین جسمین طاہر آتا ہو، یہ درست ہے، مگر دیوان مین متعدد غزلین ایسی ہین جنمین مقطع نہین دیا گیا اور غیر مسلکہ اشعار مین بھی صرف معدودے چند تخلص کے حامل ہین، اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ہر ردیف مین صرف پانچ سات غزلین مکمل ملتی ہین، اور ردیف اول کے ۴۸ غیر منسلکہ اشعار مین صرف دو مین، جنمین تخلص ہے، اس کے ساتھ یہ بھی قابلِ غور ہے کہ کہا جاتا ہے[۳]، غنی نے اپنے اشعار مین سے ایک بیاض مرتب کرلی تھی، اور باقی تلف کردیے تھے، اگر یہ صحیح ہو تو اغلب ہے کہ انھون نے ابتدائی اشعار ہی ضائع کئے ہونگے، بہرحال یہ بات وثوق سے نہین کہی جاسکتی یہ ایک نظریہ ہے[۴]

۱؎ بانکی پور کیٹلاگ نمبر ۳۳۴، ۲؎ شعر العجم ج ۳ ص ۱۸۸، ۳؎ میر حسین دوست سنبھلی تذکرہ حسینی، ۴؎ دیوان غنی ص ۱۴۲،

سفر نواب صدیق حسن خان کے اس فقرہ سے کہ "مدت العمر در شہر خویش گذرانید" معلوم ہوتا ہے کہ مولانا نے کبھی کوئی سفر اختیار نہین کیا، ممکن ہے وہ سفر کو ناپسند کرتے ہون، کیونکہ فرماتے ہین، ؎

سفر چگونہ گزینم ز آستانہ خویش | کہ ہمچو مردم چشم بقید خانہ خویش

مگر یہ صحیح نہین کہ تمام عمر کہین نہین گئے، وہ خود ایک رباعی مین کشمیر سے دور ہونے کا کنایۃً ذکر کرتے ہین،

کردہ است ہوائے ہند دلگیر مرا | ای بخت رسان بباغ کشمیر مرا
گشتم ز حرارت غریبی بے تاب | از صبح وطن بدہ طباشیر مرا

احباب غنی نے تمام عمر گوشۂ عزلت مین بسر کی، علامہ اقبال فرماتے ہین، ع

"چو اندر سرا بود در بستہ داشت"

تمہید دیوان مین ہے کہ "بجز معنی بیگانہ با ہیچکس آشنائی نمی کرد"

شاید یہی وجہ ہے، کہ ان کے دیوان مین ان کے دوستون کا کوئی ذکر موجود نہین، بلکہ وہ خود ان کے عدم حصول کے شاکی ہین ؎

کردم ہر چند جستجو در عالم | یاران موافق بجہان دیدم کم
افسوس کہ ہمچو مہرہائے شطرنج | یک رنگ نیند ہم نشینان باہم

تاہم اس کے بھی معترف ہین کہ دنیا مین صحبت و اختلاط ناگزیر ہے، ؎

کس راز دام صحبت مردم نجات نیست | عنقا است گوشہ گیر غنی در زمان ما

پہلے آچکا ہے، کہ قدسی، سلیم، صائب، ان کے رفقا مین سے تھے، کلیم اور امیر الامرا اسلام خان سے تو خاص انس تھا، ان کی تاریخِ وفات کہی ہے اور جس خلوص کے ساتھ کہی ہے اسکا اندازہ ان اشعار سے ہوسکتا ہے،

قطعہ تاریخ وفات ابو طالب کلیم

حیف کز دیوار این گلشن پرید | طالبا آن بلبلِ باغ نعیم

اشک حسرت چون نی ریزد قلم | شد سخن ازمردن طالب یتیم
ہردم از شورش دلِ اہل سخن | چون زبان خامہ میگردد دونیم
عمرہا دریاد او زیر زمین | خاک برسر کرد قدسی و سلیم
عاقبت از اشتیاق یک دگر | گشتہ اند این ہر سہ دریکجا مقیم
گفت تاریخ وفات او غنی | طور معنی بود روشن از کلیم

امیرالامرا اسلام خان،

حیف کز فوت قدوۂ امرا | بر سپر داغ شد نصیب سپاہ
دور زان آفتاب اوج کمال | مردمک شد زگریہ ابرِ سیاہ
شد نفس نالہ در گلو ما را | ہمچو نے، زین مصیبت جانکاہ
جست این مصرع از زبان غنی | مرد اسلام خان والا جاہ
(۱۰۷۳ھ)

اہل وعیال مولانا دنیاوی تعلقات سے بالکل آزاد تھے، ان کے اہل وعیال کے متعلق تذکرہ نویس تو عادۃً خاموش ہین، ان کے اشعار سے بھی پتہ نہین چلتا، معلوم ہوتا ہے، انھون نے شادی نہین کی اور تجرد مین ہی زندگی بسر کرتے رہے،

مذہب اگرچہ صوفیانہ خیالات بھی دیوان مین موجود ہین، اور امام حسینؓ کی تعریف مین بھی یہ شعر ہے،

کے بود رجز امر خرد توانند شد | کہ خاکپاے شہیدان کربلا باشد

مگر ذیل کے شعر سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے، کہ غنی اہل سنت والجماعت سے تعلق رکھتے ہین،

دفع شد وسواس خاطر از نماز باحضور | مابدست بستہ واکردیم قفل بستہ را

دست بستہ سے اشارۃً یہ ثابت ہوتا ہے،

اخلاق وعادات مولانا محمد طاہر غنی کو مبدء فیاض سے طبیعت بھی غنی کرامت ہوئی تھی، وہ استغنا کی اس

بلند سطح پر پہنچے ہوئے تھے، جہان ان کی نگاہ مین دنیوی جاہ واحتشام کی کوئی وقعت نہین رہی تھی، نصیر آبادی کے الفاظ مین "...... در کمال بے تعلقی بودہ چشم بر زخارفِ دنیا کہ در نظرِ عارف قدرِ برگِ کاہے ندارد نکشودہ وبعلت آن غنی معنوی ہم بود"

صاحب شمع انجمن[1] اس کی تصدیق یون کرتے ہین، "بغنائے طبعی مجبول بود، باوصفِ بے دستگاہی بحضور خاطر بسر می برد، ازین جاست کہ غنی تخلص می کند"

عہد شاہجہانی کے پرتکلف تمدن مین جب کہ ساز عشرت کی صدائین فضائے ہند کو معمور کررہی تھین اور وہ خواب آور نغمے کاہلی اور تنعم پرستی کا ایسا جذبہ پیدا کررہے تھے، جسے حضرت عالمگیرؒ دیکھ کر تھرا اُٹھے اور اس قحط الرجال کے زمانہ مین جب کہ مردانگی کے اوصاف مفقود ہو چلے تھے، ایسے شخص کا پیدا ہونا جو صبر واستقلال، ایثار واستغنا کا نمونہ قائم کردے کچھ کم تعجب انگیز نہین، استغنا کا یہ حال تھا، کہ صاحب مشاہیر کشمیر لکھتے ہین کہ مولانا نے اپنے رہنے کے لیے ایک چھوٹا سا کمرہ منتخب کر رکھا تھا، مگر جب اندر ہوتے تو دروازہ بند کردیا کرتے اور جب باہر تشریف لیجاتے تو کواڑ کھلے رکھتے، ایک دوست نے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا کہ متاعِ دکان تو مین ہون، جب مین نہ ہون تو دروازہ بند کرنا بے سود ہے، علامہ اقبال اسی واقعہ کو نظم کرتے ہوئے لکھتے ہین[2]:-

غنی آن سخن گوے بلبل صفیر | نواسنج کشمیرِ مینو نظیر
چو اندر سرا بود دربستہ داشت | چو رفت از سرا تختہ را واگذاشت
یکے گفتش اے شاعرِ دلربے | عجب دارد از کار تو ہر کسے
بپاسخ چہ خوش گفت مردِ فقیر | فقیر و باقلیمِ معنی امیر
زمن آنچہ دیدند یاران رواست | درین خانہ جز من متاعے کجا است

[1] قلمی نسخہ، [2] پیام مشرق صفحہ ۱۲۰،

غنی تا نشنیند بہ کاشانہ اش | متاعِ گرانے است در خانہ اش
چوآن مفلس از زر در خانہ نیست | تہی تر ازین ہیچ کاشانہ نیست

اپنے استغنا کا ذکر وہ خود ان الفاظ مین کرتے ہین،

دائم جوانم از مدد ہمتِ بلند | یعنی ز بار منت کس خم نگشتہ ایم
ہر کہ چون من زد قدم در راہ استغنا غنی | اطلسِ گردون بپائے ہمتش پاتابہ است
لب سوال غنی پیش ممسکان مکشا | کہ ترسم از دہنت لقمۂ زبان گیرند

مولانا نے ہمیشہ اپنے آپ کو اربابِ دولت و ثروت سے بے نیاز رکھا، وہ پیٹ کی خاطر کسی امیر یا بادشاہ کی چوکھٹ پر ناصیہ فرسائی کرنا ذلت سمجھتے تھے[1]، فرماتے ہین، ؎

غنی از ننگ نامی زر نہ گیرد | کہ نامِ زر گرفتن ہم گدائی است
سمی روزی بر نمیدارد ہمہ از جائے خویش | آبرو چون شمع می ریزم بپائے درپائے خویش

صلۂ شعر کے قبول کرنے سے انھین عار تھا، ؎

چرا غنی صلۂ شعر از کسے گیرد | ہمین بس است کہ شورش گرفت عالم را

اسی بنا پر انھون نے تمام عمر فقر و فاقہ مین بسر کی اور کبھی ملول خاطر نہ ہوئے، اور اس بے دستگاہی مین کمالِ جمعیتِ خاطر سے دن گذارتے رہے، انھون نے اپنا اطمینان اس شعر مین ظاہر کیا ہے، ؎

ما بفقر و فاقہ خو کردیم ہمچو آسیا | گر رسد روزی غبارِ خاطرِ ما می شود

مولانا کی متنوع شخصیت، ان کی علو ہمتی، اور خودداری ایسی نہ تھی کہ لوگ اس سے متاثر نہ ہوتے عوام تو کیا خواص بھی ان کا ادب کرتے تھے، خود حاکمِ کشمیر نہایت تعظیم سے پیش آتا تھا، مگر مولانا کی آزاد

[1] تاریخ جدلیہ مین یہ بے بنیاد الزام لگایا گیا ہے کہ ۲۵ جلوس مین غنی نے شاہجہان کی خدمت مین قصیدہ پیش کیا اور ہزار روپیہ انعام پایا اس مین مصنف کو سہو ہوا ہے وہ شاعر فردغی ہمدانی کرغنی،

طبیعت ان کے احترامات اور تکلفات کی گرانباری کی کب متحمل ہو سکتی تھی، وہ اس سے تنگ آگئے تھے، جھنجلا کر فرماتے ہین، ؎

از تواضعہائے مردم سخت حیرانم غنی | ہر کہ می افتد بپایم کندۂ پا می شود

روایات

مولانا کی شخصیت کے اردگرد بھی بہت سی روایات جمع ہو گئی ہین، تذکرون مین ایسے قصے عام طور پر تفریح کے لیے درج کئے جاتے ہین، مگر بہت کم حقیقت پر مبنی ہوتے ہین، ہم مولانا کے متعلق دو روایات لکھین گے، ان کے متعلق مشہور ہے[1] کہ شاہ ہند نے سیف خان حاکمِ کشمیر کو لکھا کہ غنی کو ہماری خدمت مین دہلی روانہ کر دو، سیف خان نے غنی کو بادشاہ کا پیغام دیا، تو انھون نے جانے سے انکار کر دیا اور کہا کہ لکھ دو غنی دیوانہ ہو گیا ہے، سیف خان نے کہا کہ بھلا ایک فرزانہ کو دیوانہ کس طرح لکھ سکتا ہون، غنی دفعۃً دیوانہ وار دربار سے نکل کھڑے ہوئے، اور تین دن کے بعد مر گئے، قصہ کا وجود شاہِ ہند کے پیغام پر منحصر ہے، اور ثابت کرنا مقصود ہے، کہ غنی شاہی دربارون سے بے نیاز تھے، شاہِ ہند کے نام کی تصریح کہین نہین، شاہ جہان نہین ہو سکتا، کیونکہ جب غنی فوت ہوئے ہین تو حضرت اورنگ زیب عالمگیرؒ سریرآرائے سلطنت تھے، اب دیکھئے مولانا شاہی فرمان کے تین دن بعد فوت ہوئے ہین، تو گویا حضرت عالمگیرؒ ہی کا فرمان گیا ہوگا، اب یہ قریباً ناممکن ہے، کیونکہ بقول علامہ شبلی نعمانیؒ عالمگیر کے "زہد خشک نے تو شاعری کا چراغ ہی گل کر دیا"[2]

(۲) میر حسین دوست سنبھلی "تذکرۂ حسینی" مین فرماتے ہین،

"مرزا صائب این بیت را شنیدہ عزیمتِ کشمیر نمود"، شعر

موئے میان تو شدہ کرا لین | کرد جدا کاسۂ سرہا ز تن

پرسید کہ کرالین مگر نام رشتہ ایست کہ کوزہ گران کاسہ را از چرخ جدا می سازند، گفت بلے، غنی دیوان خود را

[1] انڈیا آفس کیٹلاگ نمبر ۱۴۰۳، اڈنبرا کیٹلاگ مرتبہ اشرف الحق "غنی"، [2] شعر العجم ج ۳ ص ۱۷۱،

کہ از یک بیت برگزیدہ بود، و دو ہزار بیت بیاض نگاشتہ و باقی را بآب دادہ بود، پیش مرزا گذاشت، میرزا از مطالعۂ آن نہایت محظوظ شد، خصوصاً بریں بیت حسرتہا خوردہ گفت کہ کاش کہ این ہمہ کہ در تمام عمر گفتہ ام باین کشمیری می دادم و او این یک بیت حوالۂ من می کرد، بیت

حسن سبزے بخط سبز مرا کرد اسیر | دام ہمرنگ زمین بود گرفتار شدم

یہ روایت بہت کچھ حقیقت پر مبنی ہے، مگر یہ درست نہیں کہ مرزا صائب محض غنی کی ملاقات کیلئے ایران سے چل کر آئے، پہلے آچکا ہے کہ مرزا ۱۰۴۲ھ میں کشمیر گئے، اور وہان سے ہوتے ہوئے وطن کو واپس چلے گئے، اور پھر انھون نے اخیر زندگی تک، ایران سے باہر قدم نہین نکالا[1]، البتہ اتنا ضرور ہے، کہ "چون کسے از ہند وارد ایران می شد، مرزا صائب می فرمود کہ برائے ما تحفہ از ہند آوردہ" و آن عبارت است از اشعار غنی

دیوان

کہا جاتا ہے کہ مولانا نے ایک لاکھ سے زیادہ اشعار لکھے تھے، مگر ہم تک صرف دو ہزار کے قریب اشعار پہنچے ہین اور بقول سپرنگر والہ داغستانی (صاحب ریاض الشعرا) نے بھی ان کے دو ہزار اشعار دیکھے تھے، تمام تذکرہ نویس اس بات پر متفق ہین، کہ انکا دیوان مرزا محمد علی ماہر نے ترتیب دیا، مگر مطبوعہ دیوان کے دیباچہ مین یہ عبارت ہے،" اما بعد مسلم مجرم بعرض میرساند...... چون این کج مج زبان بجناب آن مغفور نسبت شاگردی داشت...... خواستم باتفاق سرحلقۂ شاگردان رسید ملک شہید بتدوین دیوان حق شاگردی بتقدیم رسانم"

معلوم نہین یہ مسلم کون ہین، قرائن سے مقدم الذکر بیان زیادہ قابلِ اعتبار معلوم ہوتا ہے، البتہ یہ ممکن ہے کہ مسلم نے ماہر کے مدون دیوان کو از سر نو ترتیب دیا ہو،

مطبوعہ دیوان مین دو ہزار کے قریب اشعار ہین، جو فرد قطعات، رباعیات پر مشتمل ہین، دیوان کے قلمی نسخے بھی نایاب نہین برٹش میوزیم کا نسخہ (علامت OR 300) اٹھارہوین صدی کے نسخ اوّل کا لکھا ہوا ہے، خط شکستہ آمیز ہے، اور متن خاصہ صحیح ہے، کیمبرج لائبریری مین چار

[1] شعر العجم ج ۳ ص ۵، [2] سراج الدین علیخان آرزو مجمع النفائس،

نسخے موجود ہین، انڈیا آفس، بانکی پور، دیوان ہند اور شاہان اودھ کے علمی خزانے بھی اس قیمتی چیز سے خالی نہین،

دیوان مین مکمل غزلیات کی نسبت فرد اور قطعات بہت زیادہ ہین، اور ایک نظر دیکھنے پر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مختلف اللون جواہر ریزے بلا نظم و ترتیب کہین کہین سے چنکر یکجا کر دیئے گئے ہین اور در حقیقت ایسا ہی ہے، مولانا کی زندگی مین تو ان کے اشعار بے ترتیب ہی رہے، ان کی وفات کے بعد ان کے شاگردون، اور دوستون نے مختلف سفینون سے جمع کر کے دیوان مین منضبط کر دیئے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعض شعر الحاقی آگئے، اور بعض اصلی شعر اور لوگون کے ملک مین چلے گئے، مولانا کو اپنی زندگی مین بھی اس بات کی شکایت تھی، ؎

یاران بردند شعر ما را | افسوس کہ نام ما نبردند

اور وہ غزل جس پر صائب نے تضمین کی ہے، ؎

در جواب آن غزل صائب کہ می گوید غنی

یاد ایامے کہ دیگر شوق ما سرپوش داشت

مطبوعہ دیوان مین نہین ہے،

نٹشے

مشہور جرمن فلاسفر، فریڈرک نٹشے کی سوانحعمری اور اس کے خیالات، افکار، اور تصانیف پر بحث و تبصرہ مصنف پروفیسر سید مظفر الدین ندوی ایم اے، اس کتاب کو مصنف نے چار ابواب پر تقسیم کیا ہے، پہلے باب مین اس کے سوانح اور تصنیفات کا حال ہے، باقی تین ابواب مین خیر و شر، سیحیت، اور آئندہ پیرین (فوق البشر) پر اس کے خیالات اور نظریون کی تشریح، قیمت عہ

پرنس کائتانی کی ایطالی تواریخ اسلام

کا

مقدمہ

مترجمہ شیخ عنایت اللہ صاحب ایم اے، معلم عربی گورنمنٹ کالج جھنگ

اطالیہ کے مشہور مستشرق نے جو ایک طرف علومِ مشرقیہ کا عالم اور دوسری طرف خاندانی امیر و نواب ہے، اس بیسوین صدی عیسوی کے آغاز سے ایطالی زبان مین ایک ضخیم اسلامی تاریخ کی تالیف مین مصروف ہے جسکی متعدد جلدین شائع ہو چکی ہین، اس کتاب کا مختصر تذکرہ معارف کے کسی نمبر مین گذر چکا ہے، اس کی شہرت مشرق و مغرب دونون مین پھیل چکی ہے، اس کتاب کا موضوع یہ ہے کہ ہر واقعہ کے متعلق بہ ترتیب سنین، مستند مورخینِ اسلام کے بیانات لفظی ترجمہ کے ساتھ ایطالی زبان مین یکجا کر دیا جائے، اور ساتھ ہی ساتھ اس کے متعلق حواشی اور تبصرے، ذیل مین لکھے جائین، اس کتاب سے مؤلف کی تاریخ اسلام پر انتہا وسیع النظری ثابت ہوتی ہے،

اس کتاب کی اہمیت کے تذکرے لائق فضلائے یورپ کی زبان سے اب تک سنتے چلے آئے تھے، اور اسکی عمدگی و خوبی کا نقش دل پر بیٹھ چکا تھا کہ خبر معلوم ہوئی کہ اس کا ترجمہ ترکی زبان مین شروع ہو گیا ہے، اس ترکی ترجمہ کا ایک نسخہ دیار عرب مین بھی پہنچا، وہان سے ایک صاحب بصیرت نے اوس کو پڑھکر لکھا، کہ پرنس کائتانی کی تواریخ الاسلام طبل بلند بانگ، اور ہیچ باطن ثابت ہوئی، مغرب چاہے اسکی حقیقی قدر کرے، مگر مشرق کی داد کی یہ مستحق نہین، اسی زمانہ مین معارف مین کسی عربی رسالہ کے

واسطہ معارف مین اس پر ایک تبصرہ شائع ہوا، اس کو پڑھکر ہمارے عزیز دوست شیخ عنایت اللہ صاحب ایم اے نے لکھا، کہ "مین اس کتاب کا اردو ترجمہ کرنا چاہتا ہون"، ہمین پہلے تو تعجب ہوا کہ کیا ہمارے نوجوان انگریزی خوانون مین کسی کو تاریخ اسلام سے بھی ایسی دلچسپی ہے، اور اس سے زیادہ تعجب یہ ہوا کہ کیا کوئی ہم مین ایطالی زبان کا جاننے والا بھی موجود ہے، مگر جیسا کہ شیخ صاحب کے تذکرہ مین پہلے لکھا جا چکا ہے، انھون نے اپنی تعلیمی تاریخ سنا کر ہماری حیرت کو دور کر دیا،

موصوف نے پرنس کائتانی کی کتاب کا مقدمہ ہمارے پاس بھیجا ہے، اوسکو پڑھکر معلوم ہوگا کہ ہمارے بڑے سے بڑے مستشرق کو اسلام کی تاریخ اور علوم کی طرف توجہ کن جذبات اور ولولون کا نتیجہ ہے، پہلے ہی باب مین اون کے خیالات بے حجاب ہو کر سامنے آجاتے ہین، بہرحال یہ مقدمہ ہم مسلمانون کے پڑھنے کے لائق ہے، یہ مقدمہ چھ فصلون پر منقسم ہے، جو بہ ترتیب آپکے پیش نظر ہونگی، (معارف)

فصل اوّل

چھٹی صدی مسیحی اور ساتوین کے آغاز مین سلطنت بزنطینی کی مضطرب تاریخ سے کوئی علامت ان عظیم الشان واقعات کی بطور پیش خیمہ کے ظاہر نہین ہوتی جو ساتوین صدی کے وسط مین ایشیا کو تہ و بالا کرنے والے تھے، کسی کو سان و گمان نہ تھا کہ تاریخ عالم مین ایک جدید طاقتور عنصر ظہور مین آنے والا ہے، جس کے وجود سے تمام لوگ اخیر وقت تک بیخبر رہے،

عربون کے ناگہانی ظہور اور ان کی سریع ترقی نے چند سالون مین تمام مشرق کی ہیئت و صورت کو بدل دیا، یونانی اور ایرانی جنکو ایک عرصۂ دراز کے اخلاقی، سیاسی اور فوجی انحطاط نے ذلیل و خراب حال اور لاتناہی جنگون نے کمزور کر دیا تھا، ان نئے دشمنون کے بڑھتے ہوئے سیلاب کی تاب مقاومت نہ لا سکے یہ واقعات اس قدر سرعت کیساتھ ظہور مین آئے کہ پیشتر اس کے کہ اس عہد کے لوگ ان کا علاج

اور ناقابل تلافی نقصانات کی ماہیت کو سمجھیں جو انھیں پہنچے تھے، یونانی جبل طارس کے پار دھکیل دیے گئے تھے، اور سلطنت ایران صفحۂ تاریخ سے مٹ چکی تھی، یونانی اپنے پایۂ تخت بزنطین میں لرزہ براندام، قوی ہیکل ایرانی دیو کو گرتے دیکھ رہے تھے، لہذا انھیں نہ صرف اپنی شکست سے بلکہ جس سرعت سے ساسانی سلطنت خاک میں ملگئی، اپنے حریف کی طاقت کا اندازہ لگانے کے لیے کافی فرصت تھی، یونانیون نے سلطنت ایران کے برخلاف صدیون تک اپنا بہترین خون بہایا تھا، مگر انھیں چندان قابل لحاظ فتوحات حاصل نہ ہوئین، اس کے برعکس عربون کی نئی اور وحشی قوم کو دیکھو جسکو اس وقت تک کوئی جانتا نہ تھا، ان بدوون نے اچانک اپنے دشوارگذار صحراؤن سے نکلکر چند وارے نیارے کی لڑائیون میں بڑے کشت و خون کے بعد اس سلطنت کو شکست دی اور دس سال سے کم مدت مین اسکو ہمیشہ کے لیے صفحۂ ہستی سے محو کر دیا، چند سالون کے بعد یہی وحشی بے شمار تعداد مین خود قسطنطنیہ کی دیوارون کے نیچے نمودار ہوئے، اور اگر وہ پسپا ہوئے تو ان کی پسپائی یقیناً بزنطینی پایۂ تخت کے محافظین کی شجاعت کی وجہ سے نہ تھی،

اگر آج ہمارے لیے یہ بات معلوم کرنا ممکن ہو کہ ان دور دراز نسلون کے دلون مین کیا کچھ گذرا تو ہم بلاشبہہ ان پر اسی قسم کا استعجاب اور خوف و ہراس مسلط دیکھینگے جو اس شخص پر طاری ہوتا ہے جو اپنے بدن کے جزو اعظم کو آگ کے شعلون مین فنا ہوتے دیکھتا ہے، اور خوف کھاتا ہے کہ باقی تمام جسم کا بھی یہی انجام ہونے والا ہے، جنگل کی آگ کے مانند جس کے شعلے جہان کہین پہنچتے مین نئی خوراک حاصل کرتے ہین، اس آگ نے جو عرب مین مشتعل ہوئی، چند سالون کی قلیل مدت مین تمام دنیا کو بحر اطلانتک کے سواحل سے ہند کے تپتے ہوئے میدانون تک طے کر ڈالا اور تمام دنیا پر چھا جانے اور اس کو بھسم کر دینے کی دھمکی دی،،

حیرت و استعجاب کے وہ جذبات جو ان ناگہانی واقعات سے جنکی نظیر دنیا کی تاریخ مین تقریباً ناپید ہے، اتنی صدیون بعد ہمارے دل مین پیدا ہوتے مین، یقین ہے کہ خلفاء اولین کے ہمعصرون نے ان کو بہت زیادہ محسوس کیا ہوگا، کیا شاید انھین اس بات کا علم تھا کہ دشمن قبائل کی نقل و حرکت کو کوئی چیز نہین روک سکتی؟ بوجہ اپنی انتہائی کمزوری کے عیسائی اقوام اس ہیبت ناک آتش زدگی کے بالمقابل بے حس و حرکت اور بے دست و پا کھڑی رہین، ان سے کچھ نہ بن آیا، بلکہ انھین کچھ کرنے کی جرأت تک نہ ہوئی، کسی مین اس آگ کے روکنے کی طاقت نہ تھی، جب یہ فرو ہوئی تو اس کا فرو ہونا بیرونی مزاحمت کی وجہ سے نہ تھا، بلکہ محض اس وجہ سے کہ اس کا اندرونی زور ختم ہو چکا تھا، صرف اس وقت عیسائی اقوام کو اپنی مصیبت کی بے پایانی کو سمجھنے اور بازیافت کے لیے سعی کرنے کی فرصت اور مہلت ملی یونانیون کی سستی اور بزنطینی قیاصرہ کی کمزوری کی وجہ سے عیسائیت کئی آباد صوبے اور لاکھون پیرو کھو چکی تھی، جنکی تعداد شاید کل پیروان دین مسیح کی ایک تہائی سے زیادہ تھی، خود دین مسیح کا گہوارہ بیدینون کے قبضہ مین تھا، یہ مصیبت کبری ہلاکت آفرین تھی جس کا مداوا کسی سے نہ ہو سکتا تھا، اگرچہ کھوئے ہوئے املاک اور نفوس کی بازیافت کے لیے جد و جہد اس دن سے لیکر آج تک بند نہین ہوئی اور اب بھی مشرق مین جاری ہے مگر جو فتوحات حاصل ہوئی ہین وہ اس بات کا لحاظ کرتے ہوئے حقیر نظر آتی ہین کہ اسی برس سے کم عرصہ مین عیسائیت نے کیا کچھ ہاتھ سے دیا، اور تیرہ صدیون کی جد و جہد اور کشمکش کے بعد کیا کچھ واپس لیا ہے، اس ناکامی پر دل و جگر کے جتنے بھی پھپھولے پھوڑے جائین، تھوڑے ہین، مگر ہماری تلخ نوائی اور بھی زیادہ اندوہناک بنجاتی ہے اگر ہم ان فتوحات کو بھی حساب مین لین جو اسلام نے سولھوین اور سترھوین صدی مین حاصل کین اور جنکو عیسائیت نے ابھی جزءً واپس لیا ہے،

یہ جنگجو بہادر کون تھے؟ کس چیز نے ان کو اپنے بھیانک صحراؤن سے دنیا کی فتح کے لیے باہر نکلنے کی تحریک کی؟ وہ ایسے حیرت انگیز کارنامے سرانجام دینے کے کس طرح قابل ہوئے، انھون نے چند سالون کی مختصر مدت مین جو فتوحات حاصل کین وہ اتنی عظیم الشان اور مکمل کیون ثابت ہوئین، کہ باوجود تیرہ صدیون کی جد و جہد اور ان کے قوی ذرائع و وسائل کے جو ہمارے اعلیٰ تمدن کے قبضۂ تصرف مین ہین،

ہم تہذیب وتمدن اور دین کے اس بڑے دشمن کو پیچھے دھکیلنے مین کامیاب نہین ہوئے؛ شاید ہم مین کوئی نقص ہے درحالیکہ اس کے برعکس ہمارے حریفون کو کوئی ناقابل انکار فوقیت اور فضیلت حاصل ہے جس کی بدولت وہ زبردست چلے آرہے ہین اور ہم باوجود اپنی ترقیات کے اس کے اثر ونفوذ کو زائل نہین کرسکے، ساتوین صدی مسیحی اور اس کے بانجھ عیسائی اسلام کی فتح وظفر کی تشریح سے ہرگز آگاہ نہ تھے، تشریح کے یہ معنی تھے کہ انسان کو اپنے نقائص کا علم ہو، اور یہ وہ بات ہے جو کبھی کسی قوم کو حاصل نہین ہوئی، خلفاء راولین کے عہد عیسائیون نے اپنے آپ سے اس قسم کے سوالات نہین کیے، انھین اس بات کا مبہم سا علم تھا کہ فاتحین ایک نئے مذہب کے پیرو ہین، اور یہ کہ وہ دین مسیح کو باطل قرار دیتے ہین، وہ یہ بھی جانتے تھے کہ اس نئے مذہب کی بنیاد ایک پیغمبر نے رکھی تھی، جو یونانی اور لاطینی پادریون والی عیسائیت کو منسوخ کرنے کا مدعی تھا، انھون نے اس مخترع کا نام سنا تھا مگر اس کے نام کا تلفظ ان کے لیے اس قدر مشکل تھا کہ وہ اسے صحت اور درستی کے ساتھ نہین پکار سکتے تھے، چونکہ نئے مذہب نے اپنے آپ کو تلوار کے زور سے بہت کشت وخون کے بعد پھیلایا تھا اور رومی اور بزنطینی پادریون والی عیسائیت کو بڑی سختی کے ساتھ رد کیا تھا، اسلیے ان امور کا لازمی نتیجہ تھا کہ اسلام اپنے آپ کو عوام کے ذہنون مین ایک نہایت خونخوار صورت مین پیش کرے، اور ایک شیطانی دھوکا نظر آئے،

مدافعت کی ضرورت سے مجبور ہوکر عیسائی پادریون نے جو اس وقت اپنی جاہل قوم پر مسلط تھے، اپنے خوفناک دشمن کو ہر ممکن ذریعہ سے بدنام کرنے کی کوشش کی، ان کی مدت سے خواہش تھی، کہ تمام دنیا کو عیسائی بنایا جائے، مگر اسلام کی عظیم الشان کامیابیان نہ صرف ان کے لیے سد راہ ثابت ہوئین، بلکہ خود عیسائیت کے وجود کے لیے ایک دائمی خطرہ بن گئین، یہ خطرہ اس لحاظ سے اور بھی بڑا تھا، کہ عیسائیت ابھی تک دینی مسائل اور سیاسی تفرقون کے باعث بے نتیجہ داخلی جھگڑون مین مبتلا تھی، درحالیکہ عیسائی لوگ فرقہ سازی اور الحاد کی مصیبت مین گرفتار ہونے کی وجہ سے دشمن کا یک جہتی کے ساتھ مقابلہ نہین کرسکتے تھے، مسلمان

متفق اور زبردست تھے، اور عیسائیت کے تمام نظام کو یک قلم مردود قرار دیتے تھے، اور کہتے تھے، کہ پادریون والی عیسائیت وہ مذہب نہین ہے جس کی حضرت مسیح نے تعلیم دی تھی بلکہ وہ پادریون اور دیگر شریر لوگون کی ساختہ پرداختہ چیز ہے، اس طرح اسلام وسط ایشیا، ایشیائی کوچک، افریقہ اور ہسپانیہ مین ہر روز نئے پیرو حاصل کر رہا تھا، ہر روز مسلمان تعداد مین بڑھتے تھے اور عیسائی گھٹتے تھے، یہ پہلا موقع تھا کہ ایک نئے مذہب نے ظہور کرکے عیسائی مذہب کو از سرتاپا رد کیا اور تمام دنیا کی اقوام کے مذہبی عقیدہ کی بنیادی اصلاح کا بیڑا اٹھایا کسی مذہب نے حتی کہ عیسائیت نے بھی اتنی سریع، مکمل اور پائدار فتوحات حاصل نہین کی تھین، لہذا عیسائی لوگ دین جدید کے بانی کو (نعوذ باللہ) ایک بیرحم فریبی اور شیطان مجسم[1] خیال کرنے لگے جس کا مقصد دنیا کے اکیلے سچے مذہب یعنی عیسائیت کو تباہ کرنا تھا، حضرت محمد (صلعم) ان کے دین اور ان کے جانشینون سے بڑی نفرت کیجانے لگی، اس نفرت کے ساتھ خوف بھی شامل تھا اور جون جون عیسائی لوگ مسلمانون کے ہاتھون زیادہ نقصانات برداشت کرتے گئے اور ان کا خطرہ بڑھتا گیا، یہ نفرت بھی زیادہ ہوتی گئی، بجائے اس کے کہ یہ نفرت امتداد زمانہ کے ساتھ کم ہوتی مختلف حالات نے اس کو بیدار اور قائم رکھنے مین حصہ لیا، کیونکہ جب مسلمانون کا اندرونی زور ختم ہوگیا، اور وہ اس قابل نہ رہے کہ عیسائی اقوام کا نقصان کرکے اپنی فتوحات کے دائرہ کو وسیع کرین تو اس وقت بھی ایشیائے کوچک اور ہسپانیہ کی دنیوی لڑائیون اور بحر اوسط کے ساحلون پر افریقی قراصین[2] (Corsairs) کی غارت گری نے اس نفرت کو زندہ رکھا اور دین

---

[1] نقل کفر کفر نباشد، ناظرین آئندہ ترجمہ پڑھتے وقت بھی اس اصول کو یاد رکھین، (مترجم) [2] عہد متاخرین کی لاطینی زبان مین (Cursarius) بحری قزاق یا بحری قزاقون کے جہاز کو کہتے ہین، انگریزی لفظ (Corsair) فرانسیسی (Corsaire) اور ہسپانی (Corsario) اسی سے مشتق ہین عربون نے اسکو ہسپانی سے اخذ کرکے قرصان (جمع قراصین) بنالیا، شمالی افریقہ کے مسلمان بربری قراصین کے پہلو بہ پہلو یورپ کے عیسائی قراصین بھی تھے اسٹینلی لین پول صاحب نے اپنی ایک مستقل تصنیف بربری قراصین کی تاریخ کے لیے وقف کی ہے، (مترجم)

مسیح کے تارکین اور مرتدین کی وجہ سے عیسائی لوگ قدرتی طور پر خائف اور ہراسان رہے،

یہ نفرت جو اختلاف مذہب ونسل پر مبنی تھی، صلیبی جنگون کے زمانہ مین اور بھی زیادہ ہوگئی، ان لڑائیون کے دوران مین عیسائیون نے باوجود ہزارہا جانین صرف کرنے کے محض چند روزہ فتوحات حاصل کین، پرانی نفرت کے ساتھ ان شکستون کی کلفت اور غم وغصہ بھی شامل ہوگیا جو انھون نے ایسے دشمن سے اٹھائی تھین جو اپنی فتح کو اس بات پر بطور حجت اور وجہ ثبوت کے پیش کرتا تھا، کہ حق اسکی جانب پر ہے، مسیح کی مقدس قبر کو چند سالون کی مختصر مدت کے لیے چھڑانے کے لیے لاکھون قیمتی جانون کی بے فائدہ قربانی کی گئی، اگر یروشلم کی ریاست کے زوال کے بعد یہ مقام ہمیشہ کے لیے عیسائیت کے دشمنون کے ہاتھون مین واپس چلاگیا، اور آج بھی وہیم سپاہی جو عیسائیون کے مقدس ترین معبد مین بحقارت وتنفر تماکو نوشی کرتا ہے، اس سلطان کی زبردست حکومت کا نمائندہ اور مظہر ہے جس کا بزعم خود حضرت محمدؐ کے خلیفہ ہونے کی حیثیت سے دین مسیح کو نیست ونابود کرنا فرض منصبی ہے،

ہم سے قریب تر زمانہ مین عیسائیت نے بہادرانہ کشمکش اور جنگ وجدال کے بعد ہسپانیہ کے مورون (Moors) پر فتح پائی مگر قسطنطنیہ کے ہاتھ سے جاتے رہنے اور مسلمانون کے ہنگری مین اور ویانا کی دیوارون کے سامنے نمودار ہونے سے ان کے لیے یہ فتح بڑی گران قیمت ثابت ہوئی، خود اطالیہ کا ملک جو کہ یورپ کی عظیم الشان نشاۃ ثانیہ کا گہوارہ تھا، معرض خطر مین تھا، اور محض ایک سلطان کی اتفاقی موت کی وجہ سے ایک تباہی خیز حملہ سے بچ گیا، اسی دوران مین وینس اور جینوا کے ہاتھ سے مشرق کی تمام نوآبادیان یکے بعد دیگرے نکل گئین، ترکون کی عظیم الشان فتوحات سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا فتحمند اسلام کے خوفناک قالب مین از سر نو جان پڑگئی ہے اور یہ کہ وہ خلفائے اولین کی شان وشوکت کی ہمسری کرنا چاہتے ہین، اور یورپ اور باقی تمام دنیا کو مغلوب کرکے عیسائیت کو ہمیشہ کے لیے ذلیل کرنا چاہتے ہین، جس طرح کہ آٹھوین صدی مسیحی مین پرینیز کے پہاڑون پر عربون کے حملہ کا رکنا محض

افرنجہ (Franks) اور چارلس مارٹل کی وجہ سے نہ تھا، اسی طرح اگر ترکون نے سترھوین صدی مین یورپ کو مفتوح نہ کیا تو اس کا سہرا محض اہل ہنگری اور صقالبہ کے سر نہین ہے، وہ زبردست موجین جو عیسائی تمدن کی انتہائی حدود کے ساتھ ٹکرا رہی تھین، جسد اسلام کے منتفی ہونے سے پہلے کی آخری دھڑکنین تھین،

لیکن اگر ترکون کے اندرونی انحطاط نے یورپ مین ان کی پیشقدمی کو روک دیا، اور عیسائی اس قابل ہوئے کہ اپنی جد وجہد اور بازیافت کے کام کو از سر نو شروع کرین، جو آج بھی جاری ہے، تاہم فتح وظفر کا دن ہنوز دور ہے، مسئلہ شرقیہ کی تمام گذشتہ تاریخ، پچھلی لڑائی مین[1] (سنہ ۱۸۹۷ء) یونانیون کی بد انجامی اور شکست اور بلقان کی مسلسل مشکلات کے زمانہ تک ثابت کررہی ہے، کہ اس شخص مین ابھی کتنا دم خم باقی ہے جسکو بے انصافی سے "مرد بیمار" کہا جاتا ہے، انیسوین صدی کے اختتام پر یونانیون کی شکست کے یہ معنی ہین کہ عیسائی تہذیب، اسلامی تمدن کے سامنے ایک دفعہ پھر پسپا ہوئی ہے اور اس سے یہ ثابت ہے کہ مسلمان اقوام اب بھی سمجھدار سردارون کی ماتحتی مین مشرق کے انحطاط پذیر عیسائیون کے مقابلہ مین فوجی لحاظ سے زیادہ طاقتور ہین،

یورپ اور دنیائے اسلام کے باہمی تعلقات پر کئی پہلوؤن سے بحث ہوسکتی ہے، مگر تیرہ صدیون کی تاریخ کے مندرجہ بالا مختصر اور سطحی بیان مین اس مسئلہ کے صرف ایک پہلو کو لیا گیا ہے، چونکہ مین اس مقام پر اپنے مبحث سے دور نہین جانا چاہتا، اس لیے مین نے عمداً دوسرے اہم پہلوؤن پر زور نہین

---

[1] یاد رہے کہ کتاب ہذا کا سن تالیف سنہ ۱۹۰۳ء اور سن اشاعت سنہ ۱۹۰۵ء ہے، مصنف نے اپنے عہد کے واقعات سے جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ آج بھی حرف بحرف صحیح ہے، اور امتداد زمانہ سے اس کی صحت مین ذرہ بھر فرق نہین آیا کیونکہ چار سال ہوئے ترکون نے مصطفے کمال کی زیر قیادت ایشیائے کوچک مین سمرنا کے محاذ پر یونانیون کو جو شکست فاش دی اس سے مصنف کے متذکرہ بالا واقعات تاریخی کا اعادہ ہوگیا ہے، اور مصنف کے اخذ کردہ نتیجہ کی تصدیق مزید، (مترجم)

دیا ہے، جن کے رو سے یہ ثابت کرنا آسان ہے کہ اسلامی تہذیب اور تاریخ کا مطالعہ کیا کچھ دلچسپی رکھتا ہے، مگر یہ وسیع مضمون تاریخی لحاظ ہی سے دلچسپ نہیں ہے بلکہ یہ ایک ایسا مضمون ہے جس کے کئی مسائل مہمہ لاینحل پڑے ہین، جو آج تک یورپ کے ماہرینِ سیاست کو بہت بیچین رکھتے ہین، "اسلام آج بھی عیسائیت کے بعد دنیا کا سب سے زبردست مذہب ہے اور بوجہ اپنے معتقدین کے یقین کامل کے جو انھین اپنے مذہب کی حقانیت پر ہے، مسیحی عقائد کی اشاعت کے لیے بڑا بھاری سنگِ راہ ہے اور آیندہ کئی صدیون تک رہیگا، آج بھی عیسائی یورپ باوجود ان بیشمار وسائل اور ساز و سامان کے جنکو وہ استعمال مین لا سکتی ہے، اپنے تمدن کی آزادانہ توسیع کے راستہ مین اسلام کو مانند ایک ناقابلِ گذار دیوار کے حائل پاتا ہے،"

اسلامی شمسی قمری سال

تقویم المنہاج القویم

از

مولانا ابو الجلال صاحب ندوی

سنہ و سال کے حساب کے بغیر دنیا مین کسی متمدن قوم کا کام نہین چل سکتا، انسان کا فطری سال شمسی ہے، اور فطری مہینہ قمری ہے، قمری مہینون کے فطری ہونے کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ مہینہ کے لئے شاید دنیا کی ہر زبان کا لفظ چاند کے نام سے مشتق ہے، عربی مین مہینہ کو شہر کہتے ہین کلدانی مین شہرا چاند کا نام تھا، فارسی کا ماہ ہندی کے ماس اور چاند دونون کا مرادف ہے، انگریزی کا منتھ صاف صاف موَن کا فرزند ہے، اس سے بھی واضح دلیل یہ ہے کہ مہینون کے ایام ساری دنیا مین ہفتون پر منقسم ہین، وجہ یہ ہے کہ چاند کی حالتون مین ہفتہ وار نمایان امتیاز پیدا ہوتا رہتا ہے

فطری سال کے شمسی ہونے کی دلیل یہ ہے کہ "سال" کے نامون کو ہر زبان مین نہین تو کم از کم عرب اور ہندوستان کی بولی مین بارش سے خاص تعلق ہے، ہندی کا برش اسکی برشاکال سے خاص مناسبت رکھتا ہے، عربی کا عام (برس) اگرچہ بارش کے معنی نہین دیتا مگر عوم (تیرنا) کو پانی سے خاص تعلق ہے، یہود کا پہلا مہینہ نیسان ہے، اس کا قدیم نام ابیب تھا، (جا ب) کو سامی زبانون مین پانی سے خاص ربط ہے، چنانچہ اُباب پانی ہی کو کہتے ہین، ابر نیسان ہماری فارسی زبان مین بہت مشہور ہے، سال کے بارہ مہینے فرض کرنے کی وجہ بھی یہی ہے کہ دو برساتون کے درمیان عموماً ۱۲ ہی مہینے گذرا کرتے ہین،

ہر حال ہمارا طبعی سال شمسی اور طبعی مہینہ قمری ہے، یہی وجہ ہے کہ دنیا کی تقریبًا تمام قدیم قومین قمری مہینے اور شمسی سال استعمال کرتی تھین، لیکن پورے ۱۲ قمری مہینون کے ایام کی مجموعی تعداد شمسی سال کے ایام سے کسر سے زاید ۱۰ یا ۱۱ روز کم ہوتی ہے، اس لئے قمری مہینون کو شمسی برسون مین تحویل کرنے کے لئے کبیسہ کا اصول عام طور پر رائج تھا،

یہ طریقہ یہود کی بدولت عرب مین بھی معروف تھا، لیکن جب اسلام آیا تو اس نے اپنی ساری عبادتین اور کارروائیان صرف قمری مہینون کے اعتبار سے رکھین، رمضان کے روزے، عیدین کی نماز، اور کعبہ کا حج یہ سالانہ عبادتین ہین، ان کے لئے اسلام نے کبیسہ کا اصول مرعی نہ رکھا، عرب کے بعض قبائل اپنی لوٹ مار کے لئے نسی کرتے تھے یعنی ہر سال ایک قلمس (علم کا دریائے ذخار) کھڑا ہوکر اعلان کر دیتا تھا کہ آیندہ سال کا ذی الحجہ فلان ماہ مین ڈال دیا گیا، اسلام نے اس کی سختی سے مخالفت کی، بعض لوگون نے نسی اور کبیس کو ایک چیز سمجھ رکھا ہے، اس لئے وہ سمجھتے ہین کہ اسلام نے کبیسہ کو حرام کر دیا،

ان کا یہ خیال غلط ہے، نسی اور کبیسہ ایک چیز نہین، اور نہ کبیسہ کی خدا نے ممانعت کی ہے، بلکہ کبیسہ کا حساب تو خود قرآن پاک نے بھی استعمال کیا ہے، بلکہ اس نے صاف صاف کہدیا ہے کہ چاند اور سورج دونون کو اور ان کے منازل کو خدا نے اسی لئے بنایا ہے، تاکہ تم برسون کا حساب وشمار جانو،

لیکن اس مین شک نہین کہ اسلام نے اپنی سالانہ عبادتون کا مدار قمری مہینون کو شمسی برسون مین تحویل کرنے پر نہین رکھا، اس لئے مسلمانون کا مذہبی سال یقینًا قمری ہے، اور اپنے مذہبی سال کو شمسی بنانے کی نہ تو ہم کو ضرورت ہے اور نہ اجازت، مگر تمدنی حیثیت سے مالی کاروبار کیلئے ہمکو شمسی یا شمسی قمری سال استعمال کرنے کی اسلام نے کوئی ممانعت نہین کی ہے،

ابتدا مین مسلمانون کو مالی سال الگ کرنے کی ضرورت بہت کم محسوس ہوئی، لیکن جس جس طرح تمدن بڑھتا گیا، حکومت پھیلتی گئی تو چونکہ مسلمان سلاطین نے اپنی ماتحت رعایا کے تمدنی رسم ورواج اور طرز حکومت مین بہت کم دخل دیا، اس لئے رعایا سے خراج وصول کرنے کے لئے انھین اسی شمسی حساب کی پابندی کرنی پڑی جو ایران و عراق مین پہلے سے رائج تھا، لیکن تنخواہون کی تقسیم کے لئے وہی عربی حساب قمری سالون کا قائم رہا،

سنہ ۳۶۳ھ مین خلیفہ طائع للہ عباسی کے زمانہ مین قمری اور شمسی برسون کی میزان برابر رکھنے کے لئے قاعدہ مدخل آذار ایجاد ہوا، مسلمان کسی طرح اپنا سال ہجری چھوڑ نہین سکتے تھے، اور شمسی سنہ دوسرون کا استعمال کرنا مناسب نہ تھا، اس لئے صورت یہ اختیار کی گئی کہ مسلمانون نے بھی رومیون کی طرح اپنا مالی سال آذار (مارچ) کے مہینہ سے شروع کیا، اور اپنے مالی سال کو بھی ہجرت ہی کی طرف منسوب کرتے تھے، مارچ کے مہینہ کی پہلی تاریخ جس سنہ ہجری مین پڑتی تھی، اسی سنہ کے نام سے یہ مالی سال بھی نامزد کرتے تھے، لیکن ہر ۳۳ برس قمری مین ایک برس مارچ کی پہلی تاریخ سے خالی ہوتا ہے، اس لئے ایک برس کا نام کاغذات سے محذوف ہوجاتا تھا، یہی قاعدہ مدخل آذار ترکون نے بھی قبول کیا، مگر اس مین بہت کچھ مالی دشواریان پیش آتی رہتی ہین،

قاعدہ مدخل آذار کے اس نقص کا نتیجہ ملک شاہ سلجوقی کے عہد مین سنہ ۴۶۷ھ مین یہ نکلا کہ ایک دن خزانہ مین خرچ کے واسطے ایک پیسہ بھی باقی نہ رہا،

اس لئے فقہاء سے فتوی لیکر ملک شاہ نے عمر خیام کو فارسی حساب کو از سر نو درست کرنیکا حکم دیا، اس نے سات نامور حکما کی ایک مجلس ترتیب دی اور بحث ومباحثہ کے بعد کامل تین سال محنت کرکے سنہ ملکشاہی جلالی ایجاد کیا، اور زیج ملکشاہی مین اس کے اصول بیان کر دیئے،

ملکشاہی تقویم کا اصول وہی ہے جس پر نظام دکن کے سنہ الٰہی اکبر شاہی کی بنیاد قائم ہے،

پارسیون کا یزدجردی سال بھی دراصل خیامی اصول پر قایم ہے،

ملک شاہ کا سنہ جلالی چونکہ کسی قوم کی مقدس تاریخ سے وابستہ نہین ہے اس کو قبولِ عام اور دوام و قیام حاصل نہ ہوسکا، اس لئے اسلامی ممالک مین ایک زمانہ سے مسلمانون کا ایک الگ شمسی سنہ تصنیف کرنے کا خیال ہو رہا تھا، ترکون نے اس پر بہت کچھ غور و فکر کیا، بھوپال مین بھی ایک سنہ محمدی ایجاد ہوا تھا، مگر چلا نہین،

حال مین حسن دفقی بک آل القاضی ایک دمشقی عالم نے ایک شمسی ہجری تقویم بنا کر دنیائے اسلام پر ایک بڑا احسان کیا ہے، انھون نے اپنی محنت کے نتیجہ کو ایک کتاب تقویم المنهاج القویم کی صورت مین ہدیہ عام کیا ہے، قیمت ؟ پتہ مکتبہ سلفیہ قاہرہ،

قرآن مجید نے ایک موقع پر مسجد قبا کے روز تعمیر کو (اول یوم) کہا ہے، اسی آیت سے تفاؤل کی بنا پر صحابۂ کرام نے اپنے سنین کی ابتدا واقعۂ ہجرت سے کی، حسن دفقی بک نے حساب لگایا تو مسجد قبا کے سنگ بنیاد کا دن ۲۱ ستمبر سنہ ۶۲۲ء روز سہ شنبہ تھا، اور یہ آفتاب کے برج میزان مین داخل ہونے کی تاریخ تھی، اس لئے انھون نے اپنے شمسی ہجری سنہ کی ابتدا اسی تاریخ سے کی اور بجائے رومی مہینے استعمال کرنے کے عربی زبان کے اسمائے فصول کو دوبارہ زندہ کرکے حسب ذیل نامون سے انھون نے اسی شمسی ہجری سنہ کو نامزد کیا،

مہینہ کا نام	تعداد ایام	کیفیت
خرفی (خریف کا مہینہ)	۳۰	خریف کا پہلا مہینہ سنہ ۱۹۱۶ء مین یکم خرفی مطابق ۲۴ ستمبر
وسمی (گھاس اگانے والا)	۳۰	، ، دوسرا ، ، یکم وسمی ، ۲۴ اکتوبر
برک (سرما)	۳۰	، ، تیسرا ، ، یکم برک ، ۲۳ نومبر
شیبان (برف)	۳۰	، ، چوتھا ، ، یکم شیبان ، ۲۳ دسمبر

مہینہ کا نام	تعداد ایام	کیفیت
طلحان (سپید و شفاف)	۳۰	سردی کا دوسرا مہینہ سنہ ۱۹۳۰ء مین یکم طلحان مطابق ۲۲ جنوری
رُنہ (سختی سرما)	۳۰	، ، تیسرا ، ، یکم رنہ ، ۲۱ فروری
ربعی (ربیع والا)	۳۰ سال کبیسہ مین ۳۱	ربیع کا پہلا مہینہ ، ، یکم ربعی ، ۲۲ مارچ
دفئی (بارش گرما)	۳۱	، ، دوسرا ، ، یکم دفئی ، ۲۱ اپریل
ناتق (رمضان کا قدیم نام)	۳۱	، ، تیسرا ، ، یکم ناتق ، ۲۲ مئی
ناجر (پیاسا)	۳۱	گرما کا پہلا مہینہ ، ، یکم ناجر ، ۲۲ جون
آجر (گرما)	۳۱	، ، دوسرا ، ، یکم آجر ، ۲۳ جولائی
بجنخ (بجھانے والا)	۳۱	، ، تیسرا ، ، یکم بجنخ ، ۲۳ اگست

اب تک عام طور پر یہ مشہور ہے کہ شمسی سال کے ایام کی مقدار ۳۶۵ دن چھ گھنٹے ہین، لیکن حقیقۃً اس کی مقدار اس سے کم یعنی ۳۶۵ دن ۵ گھنٹے اور کچھ دقیقہ اور ثانیہ ہین حسابی صورت بیان مین یون کہین گے کہ ایک سال شمسی ۳۶۵٫۲۴۲۲۱۶ دن کا ہوتا ہے، اس بنا پر حسن توفیق بک نے ہر تین سال کو ۳۶۵ دن کا اور ہر سال کو جو ۴ پر پورا پورا تقسیم ہوجائے، ۳۶۶ دن کا قرار دیا ہے، لیکن ہر ۱۲۸ واں سال یعنی سنہ ۱۲۸ شمسی ہجری اور سنہ ۲۵۶ شمسی ہجری وغیرہ جو ۱۲۸ پر پورا پورا تقسیم صرف ۳۶۵ دن کا ہوگا،

ہمارا متداول قمری ہجری سال ۳۵۴٫۳۶۷۰۶۸ دن کا ہوتا ہے، اس کی ابتدا یکم محرم سنہ ۱ھ سے ہوتی ہے، نیا شمسی ہجری سنہ اس سے ۶۷ دن بعد سے شروع ہوتا ہے، اس بنا پر ہمارے قمری ہجری اور شمسی ہجری سنون کے نامون مین فرق ہونا ضروریات سے ہے، جناب حسن دفقی بک نے ان دونون سنین کے توازن کا قاعدہ یہ بتایا ہے، مثلاً،

(۱) س = ق - ق/۳۳ یعنی شمسی ہجری سنہ اس طرح بنے گا کہ قمری ہجری سنہ کے نام

کی تعداد سے اسی تعداد کے ۱/۳۳ کو گھٹا دیا جائے تو شمسی ہجری سنہ کا نام معلوم ہو جائیگا، مثلاً ۱۳۳۶ھ کو شمسی قمری بنانا ہو تو ۱۳۳۶ سے ۱۳۳۶/۳۳ گھٹا دین گے، ۱۲۹۶ ش ھ جواب نکل آئیگا،

(۲) شمسی ہجری سنہ کو قمری بنانا ہو تو س + س/۳۲ کے قاعدہ سے جواب حاصل ہو گا، یعنی شمسی سنہ کے نام مین اس کا ۱/۳۲ جوڑ دین گے مثلاً ۱۲۹۶ مین ۱۲۹۶/۳۲ جوڑ دین تو ۱۳۳۶ جواب نکل آئیگا،

(۳) کسی سنہ میلادی کی ابتدا سے ۶۲۱ سال ۲۷۶ دن بعد ہمارے نئے شمسی ہجری سنہ کی ابتدا ہوتی ہے، پس اگر ہم کو سنہ میلادی کو شمسی ہجری بنانا ہو تو قاعدہ یہ ہے کہ سنہ میلادی کے نام کو شمسی سال کے ایام کی مقدار سے ۶۲۱ سال ۲۷۶ دن گھٹا کر پھر شمسی سال کی مقدار ایام سے تقسیم کر دین گے، مثلاً ہم ۱۹۱۹ء کو شمسی ہجری بنانا چاہین تو صورت عمل یون ہوگی،

(۱۹۱۹×۳۶۵٫۲۴۲۲۱۶ − (۶۲۱ سال ۲۷۶ دن)) / ۳۶۵٫۲۴۲۲۱۶ =

(۷۰۰۸۹۹٫۸۱۲۵۰۴ − (۲۲۶۸۱۵٫۴۱۶۱۳۶ + ۲۷۶)) / ۳۶۵٫۲۴۲۲۱۶ =

۴۷۳۸۱۸٫۳۹۶۳۶۸ / ۳۶۵٫۲۴۲۲۱۶ = ۱۲۹۷ سال ۲۲۱۶ ۲۴۲٫۹۹ دن،

اس بنا پر نتیجہ یہ نکلا کہ ۱۹۱۹ء ۱۲۹۷ ش ھ کے برابر ہے،

جناب حسن وقفی بیگ نے تاریخون کی مطابقت کے لئے نہایت سہل اصول وضع کر دیے ہین، انکی کتاب تقویم المنہاج القویم اس قابل ہے کہ ارباب حساب اس کو غور سے دیکھین ہمارے نزدیک ان کا مشورہ قابل قبول ہے، یہ کتاب ۳۷۲ صفحے کا مجموعہ ہے جس مین حسب ذیل ابواب و فصول ہین،

(۱) کلمۂ مصنف،
(۲) مقدمہ،
(۳) دن اور گھنٹے کا بیان،
(۴) مہینہ کی حقیقت،
(۵) سال کی اصلیت
(۶) عثمانی مالی سال،
(۷) تطبیق تواریخ کے جدید اصول اور جدولین اور ان کے استعمال کا طریقہ،

(۸) تحویل تاریخ،
(۹) تاریخ سے دن معلوم کرنا،
(۱۰) تصحیح تاریخ،
(۱۱) مالی سال،
(۱۲) فرنگی تقویم (کیلنڈر)،
(۱۳) شمسی قمری سنن کا فرق،
(۱۴) قمری ہجری اور شمسی میلادی کا تفاوت،
(۱۵) شمسی ہجری اور قمری ہجری کا فرق،
(۱۶) قمری ہجری سے سنہ مسیحی نکالنا،
(۱۷) شمسی ہجری کا طرز کبیسہ،
(۱۸) کبیسہ، اہملہ، اور عادیہ کی تمیز کا قاعدہ
(۱۹) قمری ہجری اور کبیسہ،
(۲۰) شمسی ہجری سنین کے پہلے دن کے نام، معلوم کرنے کے قواعد،
(۲۱) شمسی ہجری کے ہر ماہ کا پہلا دن معلوم کرنا،
(۲۲) شمسی ہجری کے مہینے،
(۲۳) مہینون کے ایام کی تعداد،
(۲۴) قمری ہجری سالون کے پہلے دن،
(۲۵) قمری ہجری کے ہر ماہ کا پہلا دن،
(۲۶) تاریخ میلادی کی تصحیحات،
(۲۷) سنہ میلادی کے ایام شہور،
(۲۸) تاریخ میلادی کی تصحیح کی کیفیت،
(۲۹) فرنگی مہینون کے نام،
(۳۰) شمسی ہجری، قمری ہجری، اور سنہ مسیحی کے ایام کی مطابقت معلوم کرنے کے قواعد و فوائد، اور جداول کے ذریعہ اصول مذکورہ کی توضیح،

سیرت عائشہ رضؓ

(طبع دوم) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حالات زندگی اور ان کے مناقب و فضائل و اخلاق اور ان کے علمی کارنامے اور ان کے اجتہادات اور صنف نسوانی پر ان کے احسانات، اسلام کے متعلق ان کی نکتہ سنجیان اور معترضین کے جوابات، کاغذ اور لکھائی چھپائی اعلیٰ ضخامت ۳۵۰ صفحے قیمت ؎،

"منیجر"

عربون کی تہذیب

از

ایچ، جی، ویلز،

مترجمہ جناب ریاض الحسن صاحب، بمبئی،

اس وقت دنیا مین کم کوئی ایسا انگریزی جاننے والا ہوگا جو مسٹر ایچ جی، ویلز کے نام سے ناواقف ہو، اس نے فن فسانہ نگاری مین جو قابل قدر جدت پیدا کی ہے وہ محتاج بیان نہین، اس کا قلم سائنس کے اہم سے اہم مسئلون کو اس طرح افسانہ کی صورت مین پیش کرتا ہے کہ ان کو ہر شخص آسانی سے سمجھ جاتا ہے، جنگ عظیم کے زمانہ مین اس نے چند کتابین تصنیف کین جنمین عیسائی مذہب کے تمام بنیادی اصول کو پاش پاش کردیا، ۱۹۲۶ء مین اُسنے رسالہ پیرسن (لندن) مین ایک مضمون مین عیسائیت پر سخت حملہ کیا، اور عیسائیت کو انسانی فطرت کے بالکل منافی ٹھہرایا، یہ کہنا تحصیل حاصل ہے کہ اس مضمون سے کتنی شور و غوغا پیدا ہوا، عیسائیت کی اس نفرت نے کسی حد تک اسکو بعض اسلامی اصولون کا گرویدہ بنا دیا ہے، حسب ذیل مضمون اسی جذبہ کا نتیجہ ہے جس مین اس نے عربون کی ذہنی اور دماغی ترقی پر سرسری قلم کیا ہے، اس مین مختصراً فنون کے تمام شعبون پر ایک سرسری نظر ڈالی گئی ہے چونکہ از حد دلچسپ ہے اس لیے ترجمہ درج ذیل ہے،

یہ دیکھا گیا ہے کہ یورپ کے بڑے بڑے لوگ جنکی دماغی سطح عوام کیا بلکہ خواص سے بھی بہت بلند تھی، عیسائیت سے سخت بیزار تھے، بعض تو اس کا اظہار علانیہ کرتے اور بعض کسی ذاتی وجہ سے رک کر زبان اور قلم پر قفل لگا لیتے، ان مین سے بعض جنھون نے مذہب عیسائیت ہی کا مطالعہ کیا تھا جب عیسائیت سے بیزار ہوئے تو سیدھے دہریت کی طرف گئے، کیونکہ اسلام ان تک پہنچا ہی نہین، اس گروہ مین والٹیر، روسو، نیطشے، ہربرٹ اسپنسر، ہکسلے، ڈارون، ہیوم، ہرسن وغیرہ کے نام قابل ذکر ہین، ان مین سے بعض اگر دہریے نہین تھے تو وہ عیسائی بھی نہین تھے، بلکہ خدا کے متعلق ان کا عقیدہ اسلامی عقیدہ کے قریب قریب تھا،

(مترجم)

ترکون کی تاریخ، صلیبی لڑائیون کے قصے اور اسلام اور عیسائیت کے مابین بڑی بڑی لڑائیون کے واقعات کا ذکر کرنے سے قبل جنکی وجہ سے آج تک انسانیت کے ان دو بڑے گروہ مین نااتفاقی اور عدم رواداری کی خلیج حائل ہے، یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عربون کے دماغی نشو ونما اور ان کے ارتقائی منازل کے متعلق کچھ سپرد قلم کیا جائے، یہ لوگ ساتوین صدی مین اس خطۂ زمین پر پھیلنا شروع ہوگئے تھے جس پر کبھی یونانیون کے علم و فضل کا ڈنکا بجتا تھا، رسول اللہ صلعم سے چند پشت قبل ان کا دماغ نشو ونما کی ابتدائی منزل طے کر چکا تھا، اس زمانہ مین شعر وشاعری کا کافی چرچا تھا، مذہبی مباحثے منعقد ہوتے تھے جنھین اکثر وہی

اور قبائلی روایات کو تازہ رکھنے کی روح حلول کیے ہوئے تھی، ان واقعات کا مقابلہ یونانیون کے صرف اس زمانہ سے ہوسکتا ہے جب انکی تہذیب کا آفتاب عین نصف النہار پر پورے آب و تاب کیساتھ جلوہ گر تھا اس لیے کہ یونانیون نے سائنس کے علم کو ایجاد کیا، لیکن اگر یونان سائنس کا موجد ہے تو عرب بھی کسی طرح اس سے کم نہین، آج دنیا مین علم و عمل کا جو پرتو ہمارے سامنے موجود ہے یہ سب عربون کا طفیل ہے، جنکے ذریعہ سے یہ چیزین ہم تک پہنچین، بعض لوگون کا یہ خیال کہ اس تجدد علم مین روما کا بھی کچھ حصہ ہے، واقعات کی دنیا سے قطعاً دور ہے،

جب ہم عرب کا ذکر کرتے ہین تو اس سے ایک خاص چیز مراد ہوتی ہے، اسلام مین عربی تہذیب کو قدیم عربی تہذیب سے وہی تعلق ہے جو سکندر اعظم کے بعد سے یونانی تہذیب کو قدیم یونانی تہذیب سے ہے، عرب ابتدائی فاتحانہ حملون کے بعد یونانی ادب کے پہلو بہ پہلو آکر کھڑے ہوگئے، لیکن انھون نے اس سے جو کچھ استفادہ حاصل کیا وہ قدیم یونانی زبان کے ذریعہ سے نہ تھا، بلکہ عبرانی مین جو تراجم تھے انھون نے اسکو سامنے رکھا، نسطوری اور دوسرے عیسائی جو بازنطینی سلطنت کے مشرقی حصص مین آباد تھے عربون کے ساتھ تعلق رکھنے کی وجہ سے بہ نسبت بازنطینی درباری عیسائی پادریون کے کہین زیادہ تیز دماغ اور زود فہم ہوگئے تھے، اس گروہ کا اثر نہ صرف ساسانیون کے زمانہ تک محدود رہا بلکہ اسلام مین اثر کے قوت حاصل کرنے سے قبل ان کا کافی اثر تھا، ایرانی انھین اپنا عقل کل مانتے تھے اس لیے کہ یونانی علم طب کو ان لوگون نے ایک حد تک محفوظ کر رکھا تھا، اور اس مین چند قابل قدر اضافے بھی کیے تھے، اموی خلفا کے دور مین دربار کے بیشتر اطبا نسطوری تھے جنھون نے بغیر کسی دباؤ کے بخوشی اسلام قبول کیا تھا، ریاضی اور فلسفہ مین ارسطو کے بہت سے اقوال ان لوگون نے قدیم یونانی زبان مین اس حد تک جمع کیے تھے کہ اگر ان کا مقابلہ سینٹ بنڈیکٹ یا کینڈ، دے کیا جائے تو مؤخر الذکر کا درجہ بالکل ہیچ معلوم ہوتا ہے، ان نسطوری دماغون مین عربون نے اپنی تیز دماغی اور علم پروری کی جو قلم لگائی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ علوم و فنون کے چمن مین بہار آگئی، اور شجر علم جو مدتون سے سوکھا پڑا تھا، از سر نو بار آور ہوگیا، گویا علم کا ذوق اور اس کی تلاش و جستجو کا ایک دریا امنڈا اور اپنے ساتھ بڑی سے بڑی چٹانون کو جو راہ مین حائل تھین خس و خاشاک کی طرح بہا لے گیا،

ایران نے جو اب تک مذہبی تحریکوں کا جولانگاہ بنا تھا دوسری طرف ایک اور ہی گل کھلایا یعنی اس سیلاب کے سامنے جب اس کی ایک نہ پیش گئی تو اس نے جھٹ عربی وضع قطع اختیار کرکے اندر اندر ایک نیا مسلک شروع کیا جس سے اسلام میں ایک نئے مذہب کی بنیاد پڑی جو تشیع کے نام سے مشہور ہے، یہ واضح رہے کہ یہ چیز خالص ایرانی تراد ہے عرب کو اس سے کچھ تعلق نہیں، ایرانیوں نے یونانی زبان بھی سیکھی اور عربوں کو اس سے کافی فائدہ ہوا، لیکن ایرانیوں کے علاوہ ایک گروہ اور بھی تھا جو میدان علم میں کافی ترقی کرچکا تھا، یہ گروہ یہود کا تھا، عربی دماغ علم کا ایک خزینہ تھا اور یہود نہایت زود فہم تھے،

زبان آوری میں یہود کبھی نمایاں نہیں ہوئے، اسلام سے ہزار سال قبل انکی زبان یونانی تھی اور اس پر مصر کا زیادہ اثر تھا، لیکن آج تمام اسلامی ممالک میں ان کی تحریری اور تقریری زبان عربی ہے یہانتک کہ ان کی بعض پرانی اور اہم کتابیں عربی میں لکھی گئیں، مثلاً میمونون کی کل مذہبی کتابیں عربی میں ہیں، زبان کی اس خلط ملط میں جس میں یہود کو زیادہ دخل تھا، آج یہ پتہ لگانا نہایت دشوار ہے کہ عربی تہذیب میں خالص یہود کا اثر کہاں ختم اور عربوں کا کہاں شروع ہوتا ہے،

اس کے علاوہ علم کا ایک تیسرا مشعل ہند میں روشن تھا جہاں سے اس کی شعاعیں برابر عرب پر پڑتی رہین یہ مشعل خاص علم ریاضی کا تھا، جس کے متعلق اس وقت مفصل بحث کرنا طول امل ہوگا، لیکن اس میں ذرا بھی شبہہ نہیں کہ جس وقت عربی ماہتاب آسمان علم پر ضوفشانی کررہا تھا اس وقت ایک طرف علوم سنسکرت کی بھی کہکشان جلوہ گر تھی، دونوں مدتوں سرگوشیاں رہیں، یہانتک کہ تاریک آسمان جگمگا اٹھا، اموی خلفاء کے زمانہ میں عربوں کا ذوق علم اور شوق تجسس معرض ہستی میں آگیا تھا، لیکن اس کا شاندار ظہور عباسیوں کے زمانہ میں ہوا، دنیا کے تمام علوم میں تاریخ کا پایہ سب سے بلند ہے، عربی تہذیب کے ابتدائی دور میں جو قابل قدر مصنفین گذرے ہیں ان میں بیشتر حصہ مؤرخین کا ہے، جو جغرافیہ کو بھی اکثر تاریخ کے رنگ میں لکھتے ہیں، امتداد زمانہ سے جیسے جیسے علم کا شوق بڑھتا گیا ویسے تفریحی افسانہ نویسی کا فن ایجاد ہوا، لیکن جب علم کی

ضرورت خواص سے گذر کر عوام تک پہنچی اور کاروبار میں اس کی ضرورت پڑنے لگی تو آہستہ آہستہ ایک منظم تعلیمی درسگاہ وجود میں آنا شروع ہوئی، یہان تک کہ نوین اور دسوین صدی عیسوی میں علم القواعد اور علم اللسان کا اتنا بڑا ذخیرہ جمع ہوگیا جسکی مثال وہ خود آپ ہے، مغرب کی تعلیمی تحریک کے شروع ہونے سے صدیوں قبل اسلامی دنیا میں متعدد مقامات پر مسجدوں کے مدرسوں سے بڑی بڑی یونیورسٹیاں ہوگئی تھیں، ان میں بصرہ، کوفہ، بغداد، قاہرہ اور قرطبہ کی یونیورسٹیاں قابل ذکر ہیں، ان مقامات پر علم کی جو مشعلیں روشن تھیں ان کی روشنی صرف اسی جگہ تک محدود نہ تھی بلکہ اسلامی دنیا سے تجاوز کرکے یکسان اطراف عالم پر پڑتی تھیں، مشرق اور مغرب کے بیشمار طلبہ دور دراز ملکوں سے صعوبتیں برداشت کرکے آئے اور علم کی دولت سے مالامال ہوئے، قرطبہ کو لیجئے، یہان عیسائی طلبہ کی خاصی کثرت تھی جن کے ذریعہ سے عربی فلسفہ کی کرنیں ہسپانیہ سے نکلکر پیرس، اکسفورڈ اور پڈوا (شمالی اٹلی کی یونیورسٹی) کی یونیورسٹیوں پر چمکیں، اور ساری مغربی دنیا کو منور کردیا، قرطبہ کے مشہور فلسفی ابن رشد[1] (۱۱۲۶-۱۱۹۸ء) کی شخصیت غالباً مغربی تہذیب پر عربی اثر کا بہترین نمونہ ہے اس نے ارسطو کے فلسفہ کی گہرائی اس وضاحت سے پیمائش کی کہ ایک مسئلہ کی مذہبی اور علمی حیثیت کو بالکل صفائی سے الگ الگ کردیا اور اپنی اس شرح سے علمی تحقیقات کا وہ دروازہ دنیا پر کھولدیا جو اب تک تنگ نظر اسلامی یا عیسوی اثر کے ماتحت مذہبی مباحثوں کے ہنگاموں کی وجہ سے بند تھا، دوسری ممتاز شخصیت اس سلسلہ میں حکیم ابن سینا کی ہے (۹۸۰-۱۰۳۷ء) جو اطباء کا سرتاج مانا جاتا ہے، یہ نامور ہستی اسلامی دنیا کے دوسرے سرے پر

[1] ابن رشد کے متعلق اب تک جتنی کتابیں شایع ہوئی ہیں ان میں غالباً مولوی یونس مرحوم کی کتاب (شایع کردہ دار المصنفین) نہایت جامع ہے، ابن رشد عقل کو عین مذہب سمجھتا ہے، اجتہاد اس کی نظر میں بہترین چیز ہے جو خدا نے انسان کو عقل کے ذریعہ سے عطا کی، اسلام اور علوم عقلیہ اس کے لیے ہم معنی الفاظ ہیں اس لیے وہ اسلام کو عین عقل کے مطابق سمجھتا ہے اور اس پر دلائل دیتا ہے، یونانی فلسفہ پر اسکو اکثر سخت اعتراض ہے،

یعنی بخارا مین عالم وجود مین آئی، ابن سینا مدتون خراسان مین سفر کرتا رہا، ارسطو کے فلسفہ کا نامور شارح ہونے کا حق اس کو بھی حاصل ہے)

رسم الخط مین ترقی اور کتابین نقل کرنے کا فن اسکندریہ، دمشق، قاہرہ، اور بغداد مین رائج تھا،

۹۰۰ء کے آخر مین صرف غربا کی تعلیم کے لیے شہر قرطبہ مین ۲۰ مدارس تھے،

ہیچر[1] اور شول کا قول ہے کہ فن ریاضی کی عظیم الشان عمارت عربون نے یونانیون کی قائم کردہ بنیاد پر تعمیر کی اس لیے کہ ابتدائی ایام مین عربون مین اعداد کا ذکر سننے مین نہین آیا، تھیوڈرک اعظم کے زمانہ مین بوتھیس نے چند نشانات کا استعمال کیا جو ہمارے موجودہ ۹ تک ہندسون سے ملتے جلتے تھے، اسی طرح جربرٹ کے ایک شاگرد نے بھی چند نشانات بنائے تھے جو موجودہ ہندسون سے بہ نسبت بوتھیس کے ہندسون کے قریب تر تھے، لیکن آخری ہندسہ یعنی صفر بارھوین صدی عیسوی تک معرض ظہور مین نہین آیا تھا، اسکی ایجاد یا دریافت کا سہرا ایک عرب ماہر فن ریاضی کے سر ہے جو محمد ابن موسیٰ (خوارزمی) کے نام سے مشہور تھا، اس نامور ہستی کو نہ صرف صفر دریافت کرنے کا فخر حاصل ہے بلکہ اس نے پہلے پہل اعشاریہ کا استعمال کیا اور ہندسون کی ترتیب موجودہ صورت مین کی مگر چند ہندوستانیون کا دعوی ہے کہ صفر اور اعشاریہ ہند کی ایجاد ہے، مساحت کو لیجئے، اقلیدس مین عربون نے زیادہ اضافہ نہین کیا، مگر الجبرا خالص ان کی ایجاد ہے، سطحی مثلث کے علم کو ترقی دی اور اس کو عروج کو پہنچایا جس کے سلسلہ مین خط مماس، جیب مستوی وغیرہ ایجاد ہوئے، طبیعات مین بھی ان کی کافی ایجادین ہین، مثلاً شاقول (پنڈولم) ان کے زور دماغ کا نتیجہ ہے، عینک سازی مین ان کو کافی مہارت تھی، اور اس فن مین بھی بہت سی چیزین ان کی وجہ سے دنیا مین آئین، دنیائے نجوم بھی ان کے پے در پے دماغی حملون سے نہ بچ سکی، ستارون کی رفتار اور حرکت معلوم

[1] دیکھو تاریخ یورپ مصنفہ ہیچر اور شول،

کرنے کے لیے بہت سے آلات ایجاد ہوئے، اور متعدد رصد گاہین بنائی گئین جو اب تک استعمال مین ہین، آفتاب کے گرد کرۂ ارض کا اپنے محور پر گردش اور آفتاب سے اس کے فاصلہ کا پتہ لگایا اور موسم گرما اور سرما کے وہ اوقات معلوم کئے جب دن اور رات برابر ہوتے ہین غرضکہ فن نجوم مین انھون نے نہایت قابل قدر اضافہ کیا، علم طب کو لیجئے، یونانیون کے علم طب کو ان سے چار چاند لگ گئے، انھون نے علم صحت اور علم الاجسام مین تحقیقاتین کین اور دواؤن کے نام رکھے، ان کے خواص دریافت کئے جو بعینہٖ آج رائج ہین، ان کا ایجاد کردہ طریقۂ علاج آج اس صدی مین بھی اکثر استعمال کیا جاتا ہے، عرب جراح بیہوش کن دواؤن سے ناواقف نہ تھے اور اکثر تو ایسی محیر العقول جراحی کرتے کہ دنیا دنگ رہ جاتی، اور لطف یہ کہ یہ تمام علوم عربون نے اس زمانہ مین رائج کئے جب مغرب جاہلیت کے دور سے گذر رہا تھا، دواؤن کے استعمال پر پادریون نے سخت بندش کر رکھی تھی، تاکہ لوگ مذہبی رسوم، جھاڑ پھونک اور ٹوٹکون سے علاج کرائین، علم کیمیا کے تو وہ سرے سے موجد تھے اور بہت سی نئی چیزین دریافت کین مثلاً کھار (پوٹاس) چاندی کا شورہ (نائٹریٹ آف سلور) گندھک وغیرہ، الکحل عربی زبان کا لفظ ہے، مگر معلوم ہوتا ہے کہ اس کے اجزاء شراب کی شکل مین پلینی کو معلوم تھے، جو پہلی صدی عیسوی مین گذرا ہے، مصنوعات مین وہ اپنے زمانہ سے بہت آگے تھے، عمدہ سے عمدہ اور خوبصورت چیزین نہایت صفائی سے تیار کرتے تھے، سونا چاندی، تانبا، پیتل، لوہا، فولاد وغیرہ ان دھاتون پر نہایت اعلیٰ درجہ کی نقاشی کرتے تھے مگر ان کے فن کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ کپڑا بننے مین آج تک ان سے کوئی بازی نہ لیجا سکا، ہم آج ان کی بعض تیار کردہ چیزون کا مقابلہ اگر موجودہ زمانہ کی مصنوعات سے کرتے ہین تو عقل دنگ ہو جاتی ہے، کاغذ سازی کا علم ان کو بخوبی معلوم تھا، اور رنگین چیزین وہ اپنے ہی بنائے رنگ سے رنگتے تھے، چمڑا اچھانے اور اس کو استعمال کے لائق بنانے

ہیں، ان کو اتنا کمال تھا کہ اس کی دھوم سارے یورپ میں تھی، دوائیوں میں شکر کا استعمال کرتے تھے شکر بنانا، اس کا صاف کرنا عمدہ سے عمدہ شراب کی کشیدگی کا راز ان کو معلوم تھا، زراعت کے فن میں بھی بڑا نام پیدا کیا، کھیتوں کے سیراب کرنے کے لیے عمدہ پختہ نہریں تعمیر کی تھیں، شور، اور بنجر زمین کو زرخیز بنانے کے طریقوں سے آگاہ تھے، زراعت کے سلسلہ میں قلم لگانے میں تو ایسے استاد تھے کہ اکثر تجربہ کرتے کرتے نئے نئے قسم کے پھل پھول اُگائے، مغرب میں انھوں نے بہت سے مشرقی پھولوں کو پروان چڑھایا اور ان پر متعدد کتابیں اور رسالے لکھے، اس سلسلہ میں ایک چیز کا انسانی دماغ کی ترقی اور نشو و نما کی نسبت سے اگر پتہ لگایا جائے تو وہ نہایت اہم ہے، یعنی صنعت کاغذ سازی اس صنعت کو عربوں نے وسط ایشیا کے ذریعہ سے چینیوں سے سیکھا، اور پھر یورپ نے عربوں سے لیا، کاغذ ایجاد ہونے کے قبل تک کتابیں چمڑے کے ٹکڑوں یا پاپیرس (ایک قسم کا قدیم مصری کاغذ) پر لکھی جاتی تھیں، عربوں نے جب مصر پر قبضہ کیا تو پاپیرس کی برآمد بند ہوگئی، اس کمی نے چھاپنے کے فن کو ایجاد ہونے میں کافی دیر لگائی جس کی وجہ سے تعلیم میں سخت دقت لاحق ہوئی، قرونِ وسطی میں یورپ کی تمام تر جہالت اگر اس روشنی میں دیکھی جائے تو صاف نظر آئے جسکو یورپ کے مورخین تسلیم کرتے ہوئے رکتے ہیں،

المامون

علامہ شبلی

خلیفہ مامون الرشید کے عہد سلطنت کے حالات ابتک اس کتاب کے بازاری نسخے عام طریقے سے فروخت ہوتے تھے، اب مطبع معارف نے خاص اہتمام سے طبع کرا کے شائع کیا ہے، کاغذ اور لکھائی چھپائی بہترین ہے، ضخامت ۲۲۰ صفحے قیمت عہ و عہ

"منیجر"

تلخیص و تبصرہ

جامعہ آل البیت بغداد

چند سال گذرے کہ عراق کی وزارتِ اوقاف نے دار العلم بغداد میں ایک ایسی یونیورسٹی قائم کرنا چاہی جس میں صحیح اسلامی مذہبی تعلیم کے ساتھ دورِ حاضر کے جدید علوم و فنون کی تعلیم کا مکمل نظام قائم ہو، لیکن انگریزی استعماری حکومت کی موجودگی میں وزارتِ اوقاف اس مقصد میں کامیاب نہ ہوسکی تو اس نے اپنے لائحۂ عمل کے صرف ایک حصہ کو عملی جامہ پہنایا، اور "شعبۂ دینیۂ عالیہ" کے نام سے اس یونیورسٹی کے ایک حصہ کا افتتاح ہوگیا، اس شعبہ کے ماتحت جو مدرسہ ہے اس میں مختلف علوم اسلامی کے لئے عالمِ اسلامی کے مختلف ممتاز اہل علم کے خدمات حاصل کئے گئے ہیں، چنانچہ فقہ حنفی کی تعلیم کے لئے استاذ محمد سعید راوی اور استاذ منیر قاضی، اہل سنت کے اصول فقہ کی تدریس کے لئے استاذ عبد الجلیل آل جمیل، اور شیعی اصول فقہ کے لئے سید مرتضیٰ آل یسین مقرر کئے گئے ہیں، اور عراق کے مشہور رہنما استاذ طٰہٰ بک ہاشمی مدیر معارف عام، علم تاریخ، محاکمات تاریخیہ، اور تاریخ مذہب پر، اور ٹونس کے مشہور رہنما استاذ عبد العزیز ثعالبی فلسفۂ اسلامی و حکمۃ تشریع پر فاضلانہ خطبات دیتے ہیں، علم النفس کے لئے ڈاکٹر ناجی بک اصیل، علم الاقتصاد کے لئے استاذ عبد الالٰہ حافظ، اور علم الاجتماع کی تدریس کے لئے استاذ صبیح بک نشأت مقرر ہیں،

اس شعبہ کی طرف سے موسوم "صوفون" کا ایک رسالہ بھی شایع ہوتا ہے، جس میں ان اساتذہ کے تمام خطبے شایع ہوتے ہیں، اس پرچہ کی اشاعت کا کوئی خاص وقت مقرر نہیں، بلکہ جب اساتذہ کے محاضرات موصوفون تک پہونچ جاتے ہیں تو وہ ایک پرچہ کی شکل میں شایع کر دیئے جاتے ہیں، ابتک ایسے چھ پرچے شایع ہو چکے ہیں، پہلا پرچہ

شعبان ۱۳۴۴ھ مین اور آخری محرم ۱۳۴۶ھ مین نکلا تھا،

طلبہ اس مدرسہ مین اپنی ثانوی تعلیم ختم کرکے داخل ہو سکتے ہین جن کے لئے ملکی وغیر ملکی کی کوئی شرط نہین رکھی گئی ہے، داخلہ کے لئے صرف مسلمان ہونا کافی ہے،

مدرسہ کا افتتاح ۱۹۲۵ء مین ہوا تھا جس مین وزارتِ اوقاف کی مجلس علماء نے ۱۲ طلبہ کو منتخب کرکے داخل کیا تھا، اور پھر جب ۱۹۲۶ء مین یہ طلبہ دوسری جماعت مین پہونچے تو پہلی جماعت کیلئے ۱۴ طلبہ کا دوبارہ انتخاب ہوا، اس شعبۂ دینی کا افتتاح، ۲ لاکھ روپیہ سے عمل مین آیا ہے، مدرسہ کا احاطہ دریائے دجلہ کے کنارے ۱۴ ہزار میٹر مربع مین واقع ہے، جس کے اردگرد نہایت خوش نما باغ لگے ہوئے ہین، عمارت دو حصون مین منقسم ہے، ایک حصہ مین سات کمرے ہین جو درس کے لئے مخصوص ہین، اور دوسرے حصہ مین طلبہ کا دار الاقامہ ہے، اور ان دونون حصون کے وسط مین خطبون کے لئے ایک شاندار ہال ہے جس مین ۱۵۰ اشخاص کی گنجایش ہے، اور پھر اس عمارت کے اوپر بھی بالکل اسی طرح ایک دوسری منزل بنی ہوئی ہے،

اور اس احاطہ کے پہلو مین یونیورسٹی کے مختلف شعبون مثلاً انجنیری، طب قدیم وجدید، قانون، مختلف مشرقی ومغربی زبانون کی تدریس، اثری عجائب خانہ، رصد خانہ، کتب خانہ، دار الاقامہ اور مسجد وغیرہ کیلئے جداگانہ زمینین نامزد کی جاچکی ہین، خدا کرے کہ وزارتِ اوقاف کے منصوبے پورے ہون اور دار العلم بغداد مین جامعہ آل البیت کے نام سے مدرسہ نظامیہ بغداد کا منظر سامنے آجائے، "ر"

ایک نوجوان ترک پروفیسر کے جدید نظریئے

ترکی کے آخری حیرت انگیز انقلاب سے ترکون کی ذہنی کیفیت مین بھی جو انقلاب ہوا ہے، اس کا اثر وہان کے علمی حلقہ پر بھی پڑا ہے اور اس سلسلہ مین جہان بہت سے قابلِ ستایش علمی کارنامے انجام پا رہے ہین وہان اسی ہیجانی و وجدانی کیفیت مین ایسی چیزین بھی سرزد ہو جاتی ہین جو مضحکہ خیز ہونے کے ساتھ غایت درجہ پر لطف ہوتی

ہین، تفریحِ طبع کے لئے بیجا نہ ہوگا، اگر اس سلسلہ کی بعض نئی کڑیاں ناظرین کے سامنے پیش کیجائین

اس ذہنی انقلاب کے سلسلہ مین ترکون مین بعض ایسے اہل علم افراد بھی نمایان ہوئے ہین جنھین ترکی قومیت، ادبیات، تمدن اور معاشرت کو دنیا کے سامنے قدیم سے قدیم شکل مین پیش کرنے کا خاص شغف ہے، کہ اگر ایک طرف یونان ومصر کے قدیم تمدن کو روشناس کیا جاتا ہے، اور ان کے متعلق اثری وکتبی دلائل وشواہد سے جدید نظریئے قائم کرکے پایۂ ثبوت تک پہونچائے جاتے ہین، تو دوسری طرف تورانی تمدن وآداب کی بھی بحث وتحقیق ہونی چاہئے،

چنانچہ کچھ دن گذرے کہ ترکی اخبار ورسائل مین یہ بحث نہایت زور وشور سے جاری تھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام دراصل ترکی النسل تھے جب اس نظریئے کی بحث وتحقیق سے فرصت ملی تو زبان کا مسئلہ چھڑا، اور ایک آواز اٹھی کہ "ترکی زبان قدیم ترین علمی زبانون کا سرچشمہ ہے" نیز "قدیم سے قدیم تمدن مین ایسے شواہد موجود ہین جو اس کو تورانی تمدن کی ایک شاخ ثابت کرتے ہین، مثلاً یونانی زبان مین "نوموس" (NOMOS) کا لفظ جس کے معنی "قانون" کے ہین حقیقت مین ترکی لفظ "ناموس" سے اخذ کیا گیا ہے، جس کے معنی ترکی زبان مین "شرف وعزت" کے آتے ہین،

اسی طرح قانون حمورابی کے متعلق بابل مین جو انکشاف ہوا ہے، اور اس کو حمورابی قانون سے منسوب کیا گیا ہے، اس مین کی متعدد نظمین ترکون کے ان قدیم قبائل سے ماخوذ ہین جو قدیم زمانہ مین وہان آباد تھے،

اسی طرح ایک یہ نظریہ بھی ہے کہ ملک شام کی شہری بنا انھین اتراک کے ہاتھون انجام پائی، کیونکہ وہان طرابلس الشام کے قریب جو جزیرہ "ارواد" ہے وہ لفظ "عورت" سے ماخوذ ہے، اور یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ اس جزیرہ مین صرف عورتین رہتی ہون، اس لئے اس کا نام "ارواد" یعنی عورت قرار پا گیا،

یہ نظریئے بظاہر اس درجہ مضحکہ خیز ہین کہ ہم ان کو ترکون کے خلاف ایک عام پروپگنڈے سے تعبیر کرکے قابل اعتنا نہین سمجھتے لیکن عالم اسلامی کے مشہور رہنما شکیب ارسلان نے جو ترکون کی محبت مین بھی کافی بدنام ہوچکے

معارف

میں «رسالہ الزہرا» مصر میں ان کو درج کرکے سرسری طور پر ان کی تردید کی ہے، مثلاً بتایا ہے کہ لفظ «ناموس» در اصل ترکی کا نہیں عربی زبان کا لفظ ہے، اور عربی میں یونانی زبان سے آیا، عربی میں اس کے دو معنی آتے ہیں، ایک «قانون و نظام» مثلاً ناموس نشو و ارتقاء» یا «نوامیس طبیعیہ» یا انجیل میں ہے «میں «ناموس» کی تنقیص کے لئے نہیں بلکہ اس کی تکمیل کے لئے آیا ہوں» اور دوسرے معنی «شرف و عزت» مثلاً «فلاں صاحب ناموس ہے» یہ دوسرے معنی در اصل عام محاورہ ہے، جو عربوں میں آخر زمانہ میں رائج ہوا، اور ترکی زبان میں دوسرے عربی الفاظ کے ساتھ یہ لفظ بھی داخل ہوا جیسا کہ اردو زبان میں بھی انھیں معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے، اور اس کے علاوہ «ناموس» کا لفظ اسلام کے قبل سے فصیح عربی میں «شکار کی ٹٹی» اور «راہب کے خیمہ» اور «محرم راز» کے معنوں میں موجود ہے، اس لئے بہر حال ترکی زبان سے قبل عربی زبان میں یہ لفظ موجود تھا جس کی شہادت میں عربی زبان کے لغت کی کتب میں موجود ہیں، بہ خلاف اس کے خالص ترکی زبان میں یہ لفظ موجود نہیں ہے،

اور شاید امیر شکیب ارسلان بھی ان مزخرفات کی طرف اعتنا نہیں کرتے اگر یہ ترکی یونیورسٹی کے ایک ممتاز پروفیسر یوسف ضیا بک کے قلم کے «رشحات» نہ ہوتے، لیکن اس سلسلہ میں ہمیں شیخ محب الدین الخطیب مدیر الزہرا سے بھی ایک گونہ شکایت ہے، کہ انھوں نے ترکوں کے ایک فرد واحد کے فعل کو ترکوں کی پوری نوجوان جماعت «کمالیوں» کی طرف منسوب کرکے مضحکہ اڑایا ہے، باوجودیکہ اسی جماعت اور اسی یونیورسٹی کے ممتاز پروفیسروں نے یوسف ضیا بک کے خیالات کی نہ صرف تردید کی بلکہ یہاں تک لکھا گیا، کہ ایسے مزخرفات کی اشاعت ترکی یونیورسٹی کے لئے باعث ننگ و عار ہے، اور پھر ترکوں کے تمام ممتاز اخبارات یہاں تک کہ نیم سرکاری اخبار «جمہوریت» ان خیالات سے تبری کرکے یوسف ضیا بک کو مطعون کر چکے ہیں،

«ر»

خدا اور روح

محمد عبد الرؤف بی اے حیدرآباد دکن

روسی حکیم ٹالسٹائے نے جس طرح گہرے سے گہرے خیال کو نہایت سادگی سے بیان کر دیا ہے، اسی کا ایک نمونہ ذیل کی تحریر ہے،

حکیم ٹالسٹائے کہتا ہے:-

مجھکو خدا اور روح کا اسی طرح علم ہے، جس طرح نامحدود کا یعنی بذریعہ تعریف نہیں بلکہ بالکل ہی دوسرے طریقہ سے، تعریفات میرے لئے اس علم کو برباد کر دینے والی ہیں، جس طرح مجھکو اس کا یقینی علم ہے کہ اعداد نامحدود ہیں اسی طرح میں جانتا ہوں کہ ایک خدا ہے، اور مجھ میں روح ہے، میرے اس علم میں کسی قسم کا شک و شبہہ نہیں، کیونکہ میں ناگزیر طور پر اس تک پہونچ جاتا ہوں، اعداد کی نامحدودیت کے یقین تک میں طریقۂ جمع سے پہونچتا ہوں،

خدا کے یقینی علم تک میری رہبری یہ سوال کرتا ہے کہ میں کہاں سے آیا؟

روح کے علم کے لئے یہ سوال کہ، میں کون ہوں؟ میرا رہنما ہے،

جب یہ سادہ سوالات میری رہبری کرتے ہیں تو میں اعداد کی نامحدودیت، خدا اور میری روح کے وجود کے قطعی علم تک پہونچ جاتا ہوں،

ایک میں، میں، ایک شامل کرتا ہوں پھر ایک کا اضافہ کرتا ہوں، اسی طرح ایک ایک بڑھاتا چلا جاتا ہوں یا ایک چھڑی کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہوں، پھر دو دو جمع کرتا چلا جاتا ہوں اس کے بعد مجھکو اس کا علم ناگزیر ہو جاتا ہے کہ عدد نامحدود ہے،

میں اپنی ماں کے بطن سے پیدا ہوا جو میری نانی سے پیدا ہوئی اور میری نانی میری پڑنانی سے، آخر سب سے پہلے پیدا کرنے والا کون ہے؟ لہذا میں مجبوراً خدا کے وجود تک پہونچ جاتا ہوں،

میرے پاؤن "مین" نہین، میرے ہاتھ "مین" نہین، میرا سر "مین" نہین، یہانتک کہ میرے خیالات بھی "مین" نہین، آخر مین کیا ہون؟ "مین" "مین" ہون یعنی "مین" میری روح ہون،

جا ہے مین کسی جہت سے خدا کے وجود تک پہونچنے کی کوشش کرون نتیجہ سب کا ایک ہے، میرے خیالات اور میری عقل کی ابتدا "خدا" میری بحث کی اصل وہی اور میرے مادہ کی بنیاد بھی وہی خدا،

روح کے تصور کی بھی یہی حالت ہے، اگر مین اپنی صداقت کی تلاش پر غور کرون تو مجھ کو علم ہوتا ہے کہ میری یہ صداقت کی تلاش میری ایک غیر مادی بنیاد پر مبنی ہے یعنی میری روح پر،

اگر مین اپنے بھائی سے اُلفت کے جذبات کی طرف توجہ مبذول کرون تو مجھکو معلوم ہوتا ہے کہ وہ تو صرف میری روح ہے جو اُلفت رکھتی ہے،

کیا ہمارے متشکک احباب ان سادہ لیکن گہرے خیالات پر ایک لمحہ غور فرمائین گے؟

نئی کتاب

سیر المہاجرین کا پہلا حصہ

خلفائے راشدین

از مولوی حاجی معین الدین صاحب ندوی سابق رفیق دار المصنفین

سیر الصحابہ کے سلسلہ مہاجرین کا پہلا حصہ اس نام سے شایع ہوا ہے، اس مین حضرت ابو بکر صدیق رضی، حضرت فاروق رضی، حضرت عثمان رضی ذی النورین اور حضرت علی مرتضیٰ رضی کے حالات ذاتی، سوانح، اخلاق و فضائل اور ان کی خلافت کے سیاسی انتظامی، علمی، دینی کارنامے، اور فتوحات ملکی بہ تفصیل لکھے گئے ہین جنکو پڑھکر خلافت راشدہ کی ۳۲ سالہ تاریخ پوری سامنے آجاتی ہے اور ان خلفائے راشدین کے کمالات و فضائل، مناقب اور کارنامے پیش نظر ہو جاتے ہین ضخامت ۴۰۵ صفحے لکھائی چھپائی کاغذ اعلیٰ، قیمت ہے

"منیجر"

اخبارِ علمیہ

آینده، اس نام سے ایران مین ایک نہایت شاندار علمی و سیاسی ماہوار رسالہ ڈاکٹر افشار کی اڈیٹری مین طہران سے فارسی زبان مین نکلنا شروع ہوا ہے، اس کے تازہ نمبر مین پہلا مضمون سرمایہ داری پر، اور دوسرا مضمون ایران مین نمایندون کے طریقۂ انتخاب پر ہے، اُن کے علاوہ تاریخِ فلسفہ پر ایک مضمون ہے، جس مین لکھا گیا ہے، کہ ایران کا دماغ اس کے لئے خاص طور سے موزون ہے، اور اسلامی زمانہ مین بھی دراصل ایرانیون ہی نے اس کی خدمت کی اور اسلام مین اس کو رواج دیا، یہ بھی بتایا گیا ہے کہ برکمیون کا مشہور آتش خانہ نوبہار ترکستان کے اس شہر مین واقع تھا جس کو اب افغانی مزار شریف کہتے ہین،

اسکول آف اورنٹیل اسٹڈیز لندن مین اس وقت مصر کی ایک مسلمان خاتون بھی زیر تعلیم ہین جنھون نے حضرت رابعہ بصریہؒ کے سوانح و حالات کو اپنا موضوعِ مطالعہ قرار دیا ہے، معلوم ہوا ہے، کہ انھون نے ان کے متعلق بہت سے معلومات فراہم کئے ہین،

اس وقت ہندوستان کی دو اسلامی ریاستون سے بیک وقت اندلس کے متعلق دو نہایت عمدہ کتابین شایع ہوئی ہین، دار الترجمہ حیدرآباد دکن سے مولوی عنایت اللہ صاحب ناظم دار الترجمہ نے اندلس کا جغرافیہ جس مین نئے اور پرانے نامون کی تطبیق بھی کی ہے، اور اس کا نقشہ بھی بنایا ہے، شایع کیا ہے، اور بھوپال سے میر دبیر رضی الحق صاحب نے اندلس کا سفرنامہ شایع کیا ہے، جس مین اندلس کے موجودہ آثار خاص طور سے بیان کئے ہین،

لاہور مین حفظ العلوم کے نام سے اردو لغات اور علوم اور سوانح کی جو قاموس تیار ہو رہی ہے، اور جس کا ذکر پہلے بھی معارف مین ہو چکا ہے، مولانا محمد علی، سر شیخ عبد القادر اور سید حسرت موہانی نے اس کی تحسین کی ہے، یہ بھی معلوم ہوا ہے، کہ مولوی محمد شفیع صاحب وائس پرنسپل اورنیٹل کالج لاہور جو مشرقی علوم کے نامور عالم و محقق ہین اور پروفیسر براؤن کے خاص شاگردون مین ہین وہ اس کے مضامین پر نظر ثانی کر رہے ہین،

معلم زبان گراموفون، کسی دوسرے ملک کی زبان سیکھنے مین ایک بڑی دقت یہ تھی کہ خاص زبان کے بولنے والے استاد ہر طالب العلم اور ہر اسکول کو میسر نہین آسکتے تھے، اور غیر زبان دان استاد کے ذریعہ سے جو تعلیم ہوتی ہے اس سے زبان کا لہجہ، الفاظ کا تلفظ، اور محاورات کی واقفیت نہین آتی، اس کا حل اس طرح کیا گیا کہ گراموفون کے ریکارڈون مین فصیح زبان دان کی گفتگو اتاری جاتی ہے کہ طالب العلم ان کو سنکر، الفاظ لہجہ اور تلفظ کی درستی کرین، یہ طریقہ اب اس قدر پسند کیا گیا اور مفید سمجھا گیا کہ لندن یونیورسٹی کالج مین اس کا ایک خاص شعبہ قائم ہو گیا ہے، اور اس کے ذریعہ سے انگریز بچون کو صحیح و فصیح فرنچ سکھائی جاتی ہے، اب اس صیغہ کے پچھلے سنین اس طریقہ مین چند اور ترقیان کی ہین، کل تعلیم ۱۵ دو رخے ریکارڈون مین دیجاتی ہے، اور الفاظ سے لیکر فقرون اور عبارتون تک بتدریج ترقی رکھی گئی ہے، اور ان مین سے گرامر، پرائمر اور کتاب کا سب کام لیا جاتا ہے، اور ساتھ ہی ۔۔ صفحون کی کتاب لکھی ہے، جس مین اس کے طریقے اور بیانات کی تشریح کی گئی ہے،

حضرت عیسیٰ ؑ کی انسانی سوانحعمریان، پروفیسر رینان جو اسلامی ادبیات اور علوم کے ماہر تھے، انھون نے شاید اسلام ہی کے اثر سے اس بات کی کوشش کی تھی، کہ انسانی حیثیت یعنی ایک پیغمبر کی صورت مین حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سوانحعمری لکھین، جس مین ان کی الوہی حیثیت کو کوئی درجہ نہ دیا جائے، اس وقت سے حضرت عیسیٰ ؑ کی اس حیثیت سے سوانح نگارون کی ایک جماعت پیدا ہو گئی، ابھی حال مین حضرت عیسیٰ ؑ کی دو سوانحعمریان لکھی گئی ہین، ایک انگریزی مین اور

دوسری فرنچ مین، انگریزی کتاب کا نام "یسوع کی ایک نئی سوانحعمری" (A new Biography jesus) ہے، اور اس کے مصنف کا نام شرلے جیکسن کیس ہے، فرنچ کتاب کا نام (Les Iu dande jesus) ہے اور مصنف کا نام ہنری باربوسے ہے، دونون نے حضرت عیسیٰ ؑ کی تاریخی شخصیت کو تسلیم کیا ہے، مگر ان کی اصلی شخصیت کے بارہ مین دونون کے دو خیال ہین، باربوسے نے یہ ثابت کرنا چاہا ہے، کہ حضرت عیسیٰ ؑ ایک "انقلاب پسند اشتراکی" (ریوولشنری کمیونسٹ) تھے، اور اسی لئے وہ دولتمندون سے نفرت کرتے تھے، اور غریبون سے محبت کرتے تھے، انگریز مصنف نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت عیسیٰ ؑ نے خود کبھی مسیح ہونے اور اپنی دوبارہ آمد کا دعویٰ نہین کیا، یہ بعد کے لوگون کا اضافہ ہے، ٹائمز (لندن) کے تعلیمی ضمیمہ (۲۷ اکتوبر) کے اڈیٹر نے ان دونون مصنفون کے دعوون کے ماننے سے انکار کیا ہے،

جرمنی مین ڈاکٹر، جرمنی مین ۴۴ ہزار ڈاکٹر ہین جن مین سے ۲۶۵ جراح (سرجن) ہین، ۲۳۲۶ جلدی اور دموی امراض کے اور ۴۲۳۹ اندرونی اعضاء کے ماہرین ہین،

شیطان کی پرستش، متعدد سیاحون نے بیان کیا ہے کہ مغولستان (منگولیا) مین ایک فرقہ ہے، جو شیطان کی پرستش کرتا ہے، شیطان کے نام سے یہان بہت سے معبد ہین، جن مین شیطان سے دعا مانگی جاتی ہے، اور اس کے لئے انسانون کی قربانی کی جاتی ہے، انسان کو صندوق مین بند کرکے میدان مین بھوکا پیاسا چھوڑ دیتے ہین، جب وہ مرجاتا ہے، تو اس کو چیل کوے، گدھ وغیرہ کھاجاتے ہین، اس ملک کی آبادی ۲۵ لاکھ کی ہے، اور اس کی وسعت ۱۵ میل مربع ہے،

فلسطین کے قدیم آثار، فلسطین کی جمعیت آثار قدیمہ کے ارکان نے لندن کے مرکزی صیغہ مین عرض داشت

پیش کی ہے، کہ روز بروز فلسطین کے بہت سے آثار قدیمہ برباد ہوتے جاتے ہین، اس پر مشہور محقق آثار قدیمہ سر پیڑ کا خیال ہے، کہ اس سے بچنے کا ایک واحد وسیلہ صرف یہی ہے کہ فلسطین مین جلد از جلد آثار قدیمہ کا عجائب خانہ کھول دیا جائے، امید ہے کہ موصوف کا مشورہ قبول کر لیا جائیگا،

طلاق کی عمر، ایک ماہر فلسفۂ اخلاق واقعات طلاق پر غور کرکے اس نتیجہ تک پہونچا ہے کہ طلاق کے حادثے بالعموم دو مختلف زمانون مین واقع ہوتے ہین، یا تو شادی کے بارہ برس کے بعد طلاق ہوتی ہے، ورنہ بیس سال تک اجتماعی مدت گذار کر طلاقین دیجاتی ہین، اور اس کا یہ بھی خیال ہے ۶۰ فی صدی طلاق ایسے زن و شو مین ہوتی ہے جو صاحب اولاد نہین ہوتے،

پیرس مین مسلمان، پیرس مین مسلمانون کی آبادی ۶۵ ہزار ہے،

پیرس مین مرد اور عورت، پیرس مین مردون کی بہ نسبت تین لاکھ تیس ہزار عورتین زیادہ ہین،

یورپ مین تعدد ازدواج، یہ خبر حیرت کے ساتھ سنی جائیگی کہ وہی یورپ جو اسلام کے مسئلہ تعدد ازدواج پر سب سے زیادہ معترض تھا، جنگ عظیم کے بعد وہی سب سے زیادہ اس کی ضرورت کو محسوس کر رہا ہے، چنانچہ المرشد بغداد ایک امریکن اخبار "سیلاح" سے ناقل ہے کہ یورپ اور امریکہ مین خود عورتین ایسی سوسائٹیان قائم کر رہی ہین، جن کا مقصد ملک مین تعدد ازدواج کو رواج دینا ہے، اس قسم کی سوسائٹیان، لندن، پیرس، برلن، اور بردسل مین قائم ہوئی ہین،

ادبیات

جام صہبائی

از اثر صہبائی،

(۱)

محروم بقا حباب شہرت کے مزے
آلودۂ غم سراب دولت کے مزے

ہر چند محبت بھی ہے فانی لیکن
فردوس نژاد ہین محبت کے مزے

(۲)

ہے دیر و حرم مین اور نہ میخانون مین
مفقود ہے یہ بلند کاشانون مین،

ہر چند کہین نہین ہے تسکین یا رب
لیکن ہے اگر تو تیرے دیوانون مین،

(۳)

زندہ تو بہت مین سوز ہستی ہی نہین،
میکش تو بہت ہین جوش مستی ہی نہین

عالم مین بہت، مگر عمل ہے مفقود
حق بین تو بہت ہین حق پرستی ہی نہین

(۴)

بیگانۂ عقل و ہوش ہو جاتا ہون
طوفان یم خروش ہو جاتا ہون

تقدیر کو کوستا ہون ہنگام شکست
جب سوچتا ہون خموش ہو جاتا ہون،

(۵)

نیرنگ طلسم زندگی کو پایا
آلودۂ غم ہر اک خوشی کو پایا،

تسکین ہے اگر تو ذکر یزدان مین اثر
سرچشمۂ بیخودی اسی کو پایا،

باب التقریظ والانتقاد

تلقیح فہوم اہل الاثر

مصنفہ

حافظ ابو الفرج ابن جوزی بغدادی

امام ابن جوزی رحمہ اللہ کی تصنیفات نے اسلام کو جسقدر فائدہ پہونچایا ہی اور اہل علم کو جس قدر ممنونِ احسان بنایا ہے، وہ محتاج بیان نہین ہے، امام ممدوح کی ایک تصنیف یہ کتاب بھی ہے، جس کا نام تلقیح فہوم اہل الاثر فی مختصر السیر والاخبار ہے، یہ کتاب سنہ ۱۸۹۳ء مین جیسا کہ اکتفار القنوع کا بیان ہے، تلقیح فہوم اہل الآثار فی مختصر السیر والاخبار کے نام سے یورپ مین چھپ چکی ہے، اس مطبوعۂ یورپ نسخہ کی اصل برلن کے کتبخانہ مین ہے، لیکن خوش قسمتی سے اس کا ایک نسخہ ہندوستان مین بھی ٹونک کے کتبخانہ مین موجود تھا، اس دوسرے نسخہ سے مولوی سید محمد یوسف رائے بریلوی ٹونکی نے نقل لے کر اور تصحیح کر کے اس کو دہلی سے شایع کیا ہے،

مولوی سید محمد یوسف ہندوستان کے ایک مشہور علمی خاندان سادات رائے بریلی کے رکن ہین، ان کو قدیم اور نایاب کتابون کا بڑا شوق ہے، وہ اکثر ہندوستان کے گوشون مین نایاب کتابون کو تلاش کرتے انکی نقلین لیتے اور بغیت شایقین تک پہونچاتے رہتے ہین،

اس کتاب کی تصحیح و تحشیہ مین انھون نے کافی محنت اٹھائی ہے، اس کے لئے انھون نے ابن سعد، کنز العمال، انساب سمعانی، سیرۃ ابن ہشام، سیرت مغلطائی، انوار محمدیہ، زرقانی، معارف ابن قتیبہ، خصائص کبری، استیعاب، اور مغنی، وغیرہ کتابون کے علاوہ حسب ذیل قلمی کتابون سے بھی مدد لی ہے،

مسند ابو یعلی موصلی، تاریخ ابی حاتم، عسکری کی کتاب الاوائل اور ایک قلمی حاشیہ استیعاب،

اس قدر محنت کے بعد بھی بعض مقامات پر تصحیح نہ ہو سکی، اور وہان حاشیہ دیکر (کذا فی الاصل) لکھدیا گیا ہے،

معلوم نہین مولانا نے برلن کے مطبوعہ نسخہ سے کچھ مدد لی یا نہین، مقدمۂ ناشر مین اس نسخہ کا ذکر تو ہے، لیکن یہ نہین بتایا کہ اس سے کیون مدد نہین لی گئی،

فاضل ناشر کے حاشیہ کو ہم نے جا بجا سے پڑھا، یقیناً وہ داد کے مستحق ہین، اور مفید ہین، لیکن بعض مقامات پر جہان ان کو طویل حاشیہ دینا پڑا ہے، یہ معلوم ہو جاتا ہے، ایک عجمی اپنے عجمی لحن مین بول رہا ہو، کاش ایسا نہ ہوتا،

اصل کتاب کی ترتیب یہ ہے کہ شروع مین ابتدائے آفرینش، حضرت آدم اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کا ذکر ہے، اس کے بعد رسول اللہ صلعم کی زندگی کے حالات ہین، اس کے بعد صحابہ کے حالات شروع ہوتے ہین جس مین پہلے فضلِ صحابہؓ، صحابی کی تعریف، مراتبِ صحابہؓ اور صحابہؓ کی تعداد اور بڑے بڑے مشہور صحابہ کا ذکر ہے، پھر ردیف وار دوسرے صحابہؓ کا تذکرہ ہے، اس کے بعد مشہور صحابیاتؓ پھر ردیف وار عام صحابیاتؓ کا ذکر ہے، ہر قسم کے صحابہؓ اور صحابیاتؓ کے حالات کے بعد ان حدیثون کا ذکر ہے جن پر فقہ کا دار مدار ہے، اس کے بعد صحابہؓ کو مختلف طبقات پر تقسیم کر کے بتایا ہے، کہ کون حفاظ تھے، کون محدثین تھے، کن کا شمار فقہا مین تھا، وغیرہ وغیرہ اس کے بعد اولیات کا بیان پھر فن حدیث و رجال کے متعلق دوسری مفید باتین ہین

کتاب علوم و معلومات کا خزانہ ہے، حافظ ابن جوزی نے کوشش کر کے اس کوزہ مین دریا کو بند کیا ہو، اس بنا پر اس کی اشاعت اہل علم پر بڑا احسان ہے، امید ہے کہ اہل علم اس کی قدر کرین گے، اور اس سے فائدہ اٹھائین گے، قیمت ؟ پتہ محمد یوسف مدرسہ حاجی علی جان، گھنٹہ گھر دہلی،

"ج"

مشرقی کتبخانۂ پٹنہ کی فارسی کتابون

کی

آٹھوین فہرست

معارف ج ۰ نمبر ۳ مین پٹنہ لائبریری کی فارسی مخطوطات کی سات فہرستون پر ریویو ہو چکا ہے، اب ہمارے سامنے اس کی آٹھوین کڑی ہے، جو کتبخانہ کی عام فہرستون کے لحاظ سے گیارہوین جلد ہے، اس کے مرتب بھی وہی خان بہادر مولوی عبد المقتدر صاحب ہین، جنھون نے پچھلی جلدین ترتیب دی ہین، اس لئے اس مین بھی وہ تمام خوبیان جو پچھلی جلدون مین تھین موجود ہین،

اس جلد مین طب، منطق، ہندسہ، ہیأت و نجوم، رمل، فال، تعبیر، اسمائے جواہر، فن تعمیر، خط کشی و رنگ آمیزی اور عکس و تصویر کی کتابون کا تذکرہ ہے، جن مین حسب ذیل کتابین خاص اہمیت رکھتی ہین،

نور العین، ۴۸۰ھ کی تصنیف اور [illegible]ھ کی تحریر خط پاکیزہ نستعلیق مصنف ابی روح محمد بن منصور بن ابی عبد اللہ بن منصور جرجانی معروف بہ زرین دست، ملک شاہ سلجوقی کے حکم سے لکھی گئی، اس مین سوال و جواب کی شکل مین، آنکھون کی شناخت آنکھون کی قابل دید اور ناقابل دید بیماریان، اور ان کی دوا درمان، اور آنکھون کو نفع نقصان پہونچانے والی چیزون کا بیان ہے، اور بتایا گیا ہے کہ کون کون عمل جراحی آنکھ کے کن کن امراض کو فائدہ پہونچا سکتے ہین، اور کون امراض چشم اس قسم کے ہین کہ انھین دوا تدبیر کچھ کام نہین کر سکتی، یہ تمام مباحث ۱۰ ابواب مین پھیلا کر لکھے گئے ہین، کتاب مین ۳۰۰ مسائل کا ذکر ہے، انداز بیان سوال و جواب کا ہے، مصنف نے کتاب مین بڑے بڑے حکما، مثلاً حنین بن اسحاق اور زکریا رازی وغیرہ کا تذکرہ کیا ہے، مصنف نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ ان حکماؑ نے زیادہ تفصیل کے ساتھ آنکھ کے امراض سے بحث نہین کی ہے، نمبر کتاب ۹۷۱،

۲۔ ذخیرہ خوارزم شاہی، مصنف کا نام یاقوت نے معجم البلدان ج ۵ ص ۵۵) ابو ابراہیم بن الحسین بن محمد الحسینی بتایا ہے، حاجی خلیفہ نے اسماعیل بن الحسین بن محمد حسینی اور کتبخانہ کے نسخہ پر اسماعیل بن الحسین بن محمد بن احمد الحسینی الجرجانی لکھا ہے، سال وفات یاقوت نے ۵۳۱ھ بتایا ہے، حاجی خلیفہ نے مختلف مقامات پر ۵۳۱ھ اور ۵۳۵ھ لکھا ہے، خود اس کتاب سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مصنف ۵۰۴ھ کے قریب خوارزم آیا، جب کہ محمد شاہ خوارزم سلطان سنجر کی طرف سے وہان (۴۹۰ھ تا ۵۲۱ھ) حاکم تھا، اسی کے نام سے یہ کتاب تصنیف کی، حاجی خلیفہ نے اس مصنف کی تین کتابون کا اور ذکر کیا ہے، یادگار، خفی، علائی، (پٹنہ لائبریری عدد ۹۷۶ اغراض الطب) (انڈیا آفس نمبر ۲۲۸۷) اس کتاب کو مصنف نے ۹ حصون پر تقسیم کیا تھا، جن مین سے ۴ حصے کتبخانہ مین موجود ہین،

یہ کتاب فارسی زبان کی قدیم سے قدیم طبی انسائیکلوپیڈیا کا پرانے سے پرانا نسخہ ہے،

۳۔ علاجات دارا شکوہی مصنفہ نور الدین محمد عبد اللہ حکیم شیرازی،

۴۔ شرح بست باب طوسی، اصطرلاب کے بیان مین، شارح نظام الدین عبد العلی بن محمد بن حسین البرجندی، یہ کتاب بوہار لائبریری مین بھی ہے،

۵۔ کفایت التعلیم، مصنفہ امام ظہیر الدین ابی المحامد محمد بن مسعود بن الزکی الغزنوی، خط صاف نستعلیق فن نجوم کی ایک نایاب کتاب،

۶۔ معیار الازمان، مختلف اقوام کے شہور و سنن کے بیان مین ایک قیمتی تصنیف، مصنف کا نام منشی الملک فخر الدولہ، دبیر الملک راجہ رتن سنگھ، بہادر ہشیار جنگ ہے، مصنف ۱۱۹۷ھ مین لکھنؤ مین پیدا ہوا ۱۲۳۰ھ تک کمپنی کا ملازم تھا، پھر ملازمت سے الگ ہو کر لکھنؤ آ رہا، ۱۲۴۷ھ مین یہ کتاب تصنیف کی، نسخہ ۱۲۴۹ھ کا لکھا ہے،

۷۔ رسالۂ رمل، نصیر الدین طوسی،

۸۔ بازنامہ مصنف کا نام معلوم نہین، چڑیون کے حالات، ان کی بیماریان اور علاج،

نادر کتابون کے ذیل مین اور بھی کتابون کے نام ہین، مگر انکی تفصیل تطویل سے خالی نہین، مولوی

عبد المقتدر صاحب کی ان کوششون نے ان کو یورپ کے حلقۂ علم مین بھی ممتاز کیا ہے، اور وہان کے اچھے اچھے لوگون نے ان پر تقریظین لکھی ہین جو حد درجہ حوصلہ افزا ہین، اور یہ چیز ان کو یورپ کی شاگردی کے بغیر حاصل ہوئی ہے،

اہل علم کو یہ فہرستین گورنمنٹ پریس، پٹنہ سے مل سکتی ہین، "ج"

برہان اور عبرت،

برہان۔ جناب خواجہ مولانا محمد عبد الحیٔ صاحب فاروقی استاذِ تفسیر و ناظم دینیات جامعہ ملیہ دہلی نے قرآن مجید کی تفسیر کا جو سلسلہ شروع کیا ہے، یہ کتاب اسی کی ایک کڑی ہے، الہلال کلکتہ نے تفسیرِ قرآن کا جو نیا طرز قائم کیا وہ دورِ جدید مین بہت مقبول ہوا اور متعدد لوگون نے اس کی نقل و تقلید کی، خواجہ صاحب بھی اسی طرز کے مقلد ہین، اس لئے ان کی تفسیر زیادہ تر سیاسی رنگ رکھتی ہے، قرآن پاک کے نزول کا منشا صرف حصولِ حکومت و سلطنت نہین، وہ جس طرح جماعتی زندگی کی تعلیم دیتا ہے، اسی طرح وہ شخصی زندگی کی تعلیم بھی دیتا ہے، لیکن اس تفسیر کی یک طرفہ حیثیت نے اس کی تفسیری حیثیت کم کر دی ہے،

برہان جو سورہ نور کی تفسیر کا نام ہے، اور جس کا موضوع صرف عورتون کی عصمت کا تحفظ ہے، اس قسم کے مضامین کی تو گنجائش ہی نہین رکھتا، لیکن خواجہ صاحب نے اس مین بھی سیاست کی آمیزش کر ہی دی ہے، بہرحال یہ تفسیر تفسیر تو ہے نہین، البتہ قرآن مجید کو اصل قرار دیکر اس مین دورِ جدید کے متعلق مختلف خیالات ظاہر کئے گئے ہین، لیکن تفسیری حیثیت سے وہ اس سے زیادہ بحث و نظر کے محتاج ہین، مثلاً رجم کے متعلق جو انھون نے خیالات ظاہر کئے ہین تفسیری حیثیت سے وہ اس سے زیادہ بحث و نظر کے محتاج ہین، کیونکہ رجم کے متعلق وہ تسلیم کرتے ہین کہ اس کا حکم قرآن مجید مین نہین ہے، بلکہ وہ شریعت کے قوانین عامہ سے مستنبط ہے، حالانکہ اس کی اصلی وجہ یہ ہے کہ حدود کے متعلق جب تک کوئی آیت نازل نہین ہوتی تھی، رسول اللہ صلعم احکام تورات

کے مطابق سزا دیتے تھے، اور تورات مین زانی کے سنگسار کرنے کا حکم موجود ہے، البتہ قرآن نے اس کے بجائے سو دُرّون کی سزا مقرر کی، اس لئے اصل سوال یہ ہے کہ اس آیت نے رجم کی سزا کو جو باتباعِ تورات رسول اللہ صلعم نے دی تھی منسوخ کر دیا یا وہ قائم ہے؟ لیکن نسخ کے لئے یہ ثابت کرنا ضروری ہے کہ سو دُرّون کی سزا کا حکم رجم کے بعد نازل ہوا ہے، اور یہ یقینی طور پر ثابت نہین ہے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اسی تعارض کی بنا پر دونون مین تطبیق دی ہے، یعنی پہلے دُرّے لگائے ہین پھر رجم کیا ہے، کیونکہ ان دونون کا جمع کرنا ممکن تھا، بہرحال یہ ایک اصلاحی کتاب ہے جو قرآن مجید کو پیش نظر رکھکر لکھی گئی ہے، اس لئے قابلِ مطالعہ ہے، لکھائی چھپائی عمدہ قیمت عہ ضخامت ۸۰ صفحہ مکتبۂ جامعہ ملیہ دہلی سے مل سکتی ہے،

عبرت، خواجہ صاحب کی تفسیر القرآن کا یہ دوسرا ٹکڑہ ہے، جس مین سورۂ یوسف کی تفسیر کی گئی ہے، اور حسب معمول سیاسی خیالات پر مشتمل ہے، بلکہ بعض جگہ اس نے نہایت بدنما صورت اختیار کر لی ہے، مثلاً حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے سے جو متعدد مذہبی و اخلاقی نتائج نکالے ہین، ان مین چند نتائج حسب ذیل ہین،

(۱) انگریزون کے دورِ حکومت مین بکثرت لوگ قحط و گرانی سے مرتے ہین، لیکن وقوعِ قحط سے پہلے وہ اس کا کوئی انتظام نہین کرتے بلکہ غلون کو خرید کر خود ہی مصنوعی قحط ڈال دیتے ہین،

(۲) مالیات کا صیغہ اصل ذریعہ حکومت ہے، لیکن فنانس ممبر صرف انگریز ہوتے ہین ہندوستانی نہین ہوتے،

اسی قسم کے سیاسی اور اصلاحی خیالات سے کتاب لبریز ہے، اور ان خیالات کا حصہ اصل تفسیر سے زیادہ ہے، سیاسی حیثیت سے کسی حکومت پر نکتہ چینی کرنا کوئی قابلِ اعتراض بات نہین ہے، لیکن سیاست خود ایک مستقل فن ہے، اور اسی فن کے حدود مین رہکر اس پر نکتہ چینی کیجا سکتی ہے، قرآن مجید کا موضوع اس سے الگ ہے، اور وہ اس موضوع سے ذرہ برابر بھی نہین ہٹتا، خود عہدِ نبوت مین بہت سی جبار و قہار سلطنتین قائم تھین اور وہ اپنی رعایا پر ظلم بھی کرتی تھین، لیکن قرآن مجید نے نہ انکے سیاسی نظام کے متعلق کچھ کہا ہے نہ ان کے طریقِ حکمرانی پر کہین نکتہ چینی کی ہے، پھر ایسی مقدس کتاب کی تفسیر مین اصل متن کے مطالب و مقاصد کو چھوڑ کر خارج از بحث سیاسی بحث کہان تک موزون ہو سکتی ہے، بہرحال خواجہ صاحب کا جذبۂ حریت و آزادی قابلِ قدر ہے، لیکن اسکا اظہار بے موقع کیا جاتا ہے، اس ٹکڑے کی لکھائی چھپائی بھی عمدہ ہے، ضخامت ۷۰ صفحہ، قیمت عہ، اور مکتبۂ جامعہ ملیہ دہلی سے مل سکتی ہے،

"ع"

معارف

مطبوعات جدیدہ

سفرِ حجاز، جناب خطیب قادر بادشاہ صاحب المخلص بہ بادشاہ مرحوم نے ۱۹۰۶ء میں حرمین شریفین کا جو سفر کیا تھا اس کے حالات مراسلات کی صورت مین مخبرِ دکن مدراس کو روانہ کرتے رہتے تھے، بعد کو انھون نے یہی مراسلات بترمیم و اصلاح سفرنامے کی صورت مین شایع کردین اور ہمارے سامنے اس سفرنامہ کا دوسرا اڈیشن ہے، اب اگرچہ حجاز کی زمین و آسمان بالکل بدل گئے ہین اور اس سرزمین مقدس مین بہت سے سیاسی و مذہبی انقلابات رونما ہوچکے ہین، اس لئے اس پُرانی داستان مین کوئی لطف باقی نہین رہا، تاہم سفرِ حج کے جو سادہ حالات انھون نے خلوص و صداقت سے بلا تصنع و تکلف لکھے ہین وہ موثر ہین، بالخصوص موقع بموقع ان کے چند اشعار اور بھی زیادہ دلچسپی پیدا کرتے ہین، لکھائی چھپائی متوسط ضخامت ۱۳۶ صفحہ قیمت ۸ر نمبر ۸، گوڈون اسٹریٹ مدراس سے خطیب محمد عبد الرشید سے مل سکتی ہے،

التحقیق الحسن فی اثبات القمیص فی الکفن، مولانا ابو المکارم محمد علی صاحب اختلافی مسائل پر چھوٹے چھوٹے رسائل اکثر لکھا کرتے ہین، انھون نے اس رسالہ مین آثار و احادیث سے یہ ثابت کیا ہے کہ عہدِ رسالت، عہدِ صحابہؓ اور عہدِ تابعین مین کفن مین قمیص دینے کا رواج تھا، اور اس پر جس قدر اعتراضات ہوتے ہین ان سب کے جوابات دیے ہین، رسالہ کے دیکھنے سے مصنف کی تحقیق و وسعتِ معلومات کا اندازہ ہوسکتا ہے، لکھائی چھپائی متوسط ضخامت ۱۴ صفحہ قیمت و پتہ درج نہین،

ہدایۃ المنطق، علم منطق فرنگی محل کے فضل و کمال کا ہر دور مین جزوِ کمال رہا ہے، جناب مولانا عنایت اللہ صاحب فرنگی محلی افسر مدرس مدرسۂ عالیہ نظامیہ فرنگی محل لکھنؤ نے اس صنعتِ دیرینہ کو اس دور مین زندہ کیا ہے، منطق کے مسائل کو اردو مین نہایت وضاحت کے ساتھ لکھا ہے اور اصطلاحات منطقیہ کی پیچیدگیون سے عموماً احتراز کیا ہے، تاکہ بچون کو مطالب کے سمجھنے مین آسانی ہو، لیکن باوجود اس اختصار کے منطق کے تمام ضروری مسائل اس رسالے مین آگئے ہین، امید ہے کہ مدارس عربیہ کے طلبہ اس سے فائدہ اٹھائین گے، ضخامت ۷۰ صفحہ، قیمت درج نہین، مصنف سے معلوم ہوسکتی ہے،

النفحۃ الاجلیہ فی الصلات الفعلیہ، عربی زبان مین بہت سے افعال کسی حرفِ جر کے ذریعے متعدی ہوتے ہین جن کو اس فعل کا صلہ کہا جاتا ہے، لیکن چونکہ ان افعال اور ان حروف کے مواقعِ استعمال کا علم تمامتر تتبع و استقرا پر موقوف ہے، اس لئے جن کی نظر وسیع نہین ہوتی وہ ان افعال کے صلات مین اکثر غلطیان کرتے ہین، اسی غرض سے مولوی محمد طیب مکی مرحوم نے اس رسالہ مین اصولاً تمام افعال کے صلے بتائے ہین، اور اشعار و امثلہ سے اُن کی توضیح کی ہے، ادبا بالخصوص طلبہ کے لئے وہ بہت مفید ہے، تقطیع خورد ضخامت ۱۱۲ صفحہ، قیمت ۱۰ر پتہ:- شبلی بک ڈپو لکھنؤ،

جامع عثمانی، تقریباً ہر ملک اور ہر شہر کا قبلہ اور ان کے اوقاتِ نماز مین اختلاف ہوتا ہے، اس لئے اوقاتِ نماز کی صحیح تعیین ایک مذہبی خدمت ہے، اور مولوی محمد عبد اللہ صاحب اختر مدراسی نے جو علم ہیئت کا عمدہ ملکہ رکھتے ہین اس کتاب کے ذریعہ سے حیدرآباد دکن اور اس کے تعلقات کے متعلق یہ خدمت انجام دی ہے، اور اس اسلامی ریاست کے تمام تعلقون کیلئے اوقاتِ نماز کی الگ الگ جدول بنادی ہے جو ۲۰۰ صفحات مین آئی ہے، ہم کو یقین ہے کہ اس اسلامی ریاست کے طول و عرض مین اس کی پابندی سے مسلمانون کے ایک اہم فریضۂ مذہبی پر ٹھیک مذہبی ہدایات کے مطابق عمل ہوسکے گا، لکھائی چھپائی معمولی قیمت اور پتہ درج نہین،

احمد خان و عزیزہ، یہ ایک ناول ہے جس کو آقا محمد کرمانی بی اے مدرس فارسی مدرسۂ عالیہ متعلق بہ نظام کالج حیدرآباد دکن نے جدید فارسی زبان مین لکھا ہے، اور قصے کی دلچسپی کے ساتھ بعض اخلاقی نتائج بھی نکالے ہین، جو لوگ قصص و حکایات کی چاشنی کے ساتھ جدید فارسی محاورات سے واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہین، ان کے لئے یہ ناول مفید ہوگا، ضخامت ۱۴۸ صفحے لکھائی چھپائی عمدہ قیمت عہ مصنف سے مل سکتا ہے،

پسِ پردہ، یہ جناب آغا حیدر دہلوی کے ان چند مضامین کا مجموعہ ہے جو دلی کی زنانہ زبان اور زنانہ لب و لہجہ مین لکھے گئے ہین، قدیم زمانہ مین ریختی جو اردو شاعری کی ایک صنف ہے، زنانہ محاورات اور زنانہ زبان کے تحفظ کا ذریعہ تھی، لیکن اس زمانہ مین ریختی کے غیر سنجیدہ خیالات نے اس کو بالکل تہذیب و شایستگی کے درجہ سے گرادیا، اس لئے دورِ جدید مین گویا زنانہ زبان بالکل متروک ہوگئی، لیکن ان مضامین نے تہذیب و شایستگی کے ساتھ دوبارہ عورتون کی

زبان کو زندہ کر دیا ہے، اس لئے جو لوگ دہلی کی بیگمات کے محاورات سے واقف ہونا چاہتے ہیں، ان کے لئے یہ مجموعہ بہت مفید ہوگا، اس مجموعہ میں بہت سے محاورات اور بہت سے الفاظ ایسے آگئے ہیں جن کو غیر زبان داں نہیں سمجھ سکتے بہتر ہوتا اگر آخر میں ان کے حل کرنے کے لئے ایک فرہنگ لگادی جاتی لکھائی چھپائی عمدہ، ضخامت ۱۸۲ صفحے تقطیع خورد قیمت ۱۲؎ پتہ جناب [illegible] مسلم یونیورسٹی علی گڈھ سے مل سکتا ہے،

کتاب الہدیٰ، جناب سیٹھ یعقوب حسن صاحب نے کتاب الہدی کے نام سے قرآن مجید کے متحد مضامین کو آیتوں کے حوالوں کے ساتھ ساتھ یکجا کرنے کا جو کام شروع کیا تھا اور جس کا مقدمہ کشاف الہدی کے نام سے پہلے شائع ہو چکا ہے، اس کا پہلا حصہ اب شائع ہوا ہے، جس میں خدا کی ذات و صفات اور تمام اجزائے کائنات کی آفرینش کے متعلق قرآن مجید کی تمام آیتوں کو یکجا کرکے ان کا ترجمہ اور ان کی شرح و تفسیر کی ہے، قدیم تفسیروں میں چونکہ ہر آیت کی الگ الگ تفسیر کی گئی ہے، اس لئے ان سے دل پر ایک مضمون کی تمام آیتوں کا جو مجموعی اثر پڑنا چاہئے تھا وہ نہیں پڑتا، لیکن اس کتاب نے اس کمی کو پورا کر دیا ہے، اس لئے جو لوگ قرآن مجید کے تمام مضامین و مطالب پر الگ الگ دفعۃً واحدۃً حاوی ہونا چاہتے ہیں ان کے لئے یہ کتاب نہایت مفید ہے، لکھائی چھپائی عمدہ، ضخامت ۲۵۶ صفحے، قیمت ؟ پتہ، سیٹھ یعقوب حسن صاحب ایلا پور، مدراس،

گہوارۂ اردو، یہ کمسن بچوں کو اردو سکھانے کے لئے لکھا گیا ہے، اس کے مؤلف مولوی حکیم محمد عثمان صاحب ندوی ہیں جنکو بچوں کی تعلیم کا اچھا خاصہ تجربہ بھی حاصل ہے، اس رسالہ کے دو حصے ہیں، مصنف کا نظریہ یہ ہے کہ بچوں کو ان کے گہوارہ ہی سے صحیح زبان سکھائی جائے، چنانچہ اسی اصول پر انھوں نے اپنا یہ رسالہ ترتیب دیا ہے، پہلے حصہ میں چھ ماہ کے بچہ سے لیکر جب وہ غوں غاں شروع کرتا ہے، بہ ترتیب چار سال کے بچہ کی زبانی تعلیم کے اسباق چھ چھ مہینے کے تفاوت سے لکھے گئے ہیں، ہر شش ماہی کی عمر کی مناسبت سے الفاظ اور اسی مناسبت سے اس کی تدریجی ترقی کے سبق مصنف نے بڑی محنت سے جمع کئے ہیں جنمیں زیادہ تر مفردات ہیں، دوسرے حصہ میں الف بے، اور فقرے اور عبارتیں ہیں، ہمیں امید ہے کہ کمسن بچوں کے والدین اس مفید جدت تعلیمی کو پسند کریں گے، قیمت ۸؎ پتہ: مصنف سے محلہ بیگہ، شیخو پورہ ضلع مونگیر،

مجلد بستم | ماہ جمادی الثانی ۱۳۴۶ھ مطابق ماہ دسمبر ۱۹۲۷ء | عدد ششم

مضامین